الإخوة
(اتحاد اور بھائی چارے کی حقیقت)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۵
۲	بڑا بننے کی خواہش کی بُرائی	۷
۳	مولانا اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع	۸
۴	شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نرمی	۸
۵	شاہ اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اندازِ تبلیغ	۹
۶	مولانا اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تحمل	۱۰
۷	تواضع کی عجیب مثال	۱۰
۸	مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع	۱۱
۹	حکمت وانتظام کی وجہ سے ترکِ تواضع	۱۲
۱۰	حبِ جاہ کی بدترین صورت	۱۳
۱۱	مخالفت کو موافقت سے بدلنے کی بہترین تدبیر	۱۳
۱۲	شبہ کا جواب	۱۴
۱۳	دوسرا جواب	۱۵
۱۴	اصلاح کے مختلف طریقے	۱۶
۱۵	معیارِ سختی	۱۷
۱۶	غصہ کی حالت میں سزا نہ دی جائے	۱۸
۱۷	سزا کا تعین کسی عالم سے کراؤ	۱۸
۱۸	حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط	۱۹
۱۹	شرعی سزاؤں کے نفاذ میں نرمی نہ کرو	۲۰
۲۰	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے کو سزا دینا	۲۰
۲۱	مسلمانوں میں احکام کی بجا آوری	۲۱
۲۲	جانوروں کو ذبح کرنا بے رحمی نہیں	۲۱
۲۳	ذبح کرنے کا عقلی فائدہ	۲۲
۲۴	مصیبتوں کے نزول کا فائدہ	۲۲

۲۵	مشورہ کی اہمیت	۲۳
۲۶	اشکال کا جواب	۲۳
۲۷	بقائے اتحاد کی ضرورت واہمیت	۲۴
۲۸	پنچایتی فیصلہ کرنے کا شرعی اصول	۲۵
۲۹	حدودِ اتفاق وافتراق	۲۷
۳۰	بعض دفعہ نااتفاقی پسندیدہ ہوتی ہے	۲۸
۳۱	صلح صفائی کے آداب	۲۹
۳۲	بھائی چارہ کی بنیاد	۲۹
۳۳	ایمان کی ناقدری	۳۱
۳۴	اتحاد کی وجہ سے احکام شریعت کو چھوڑنا جائز نہیں	۳۱
۳۵	صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت	۳۲
۳۶	اتحاد کا ہیضہ	۳۳
۳۷	اسلام کی خوبی	۳۳
۳۸	اسلامی طریقۂ اتحاد	۳۴
۳۹	کسب دنیا کی اجازت	۳۵
۴۰	دنیا کو دین کے تابع رکھو	۳۶
۴۱	مسلمانوں اور کافروں کے طریقۂ ترقی میں فرق	۳۷
۴۲	مسلمانوں کی ترقی کا طریقہ	۳۹
۴۳	اسلام میں پڑوسی کے حقوق	۳۹
۴۴	اسلامی تعلیمات پر عمل کی ضرورت	۴۰
۴۵	معاہدے کی پاسداری میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل	۴۱
۴۶	اسلام کی خوبی اور کشش	۴۲
۴۷	حصولِ ترقی کا صحیح طریقہ	۴۲
۴۸	ادائیگی حقوق کا اہتمام	۴۳
۴۹	کسی کے گھر میں داخل ہونے کے آداب	۴۴
۵۰	آداب ملاقات	۴۵
۵۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ قوت وطاقت	۴۵
۵۲	اسلام میں لوگوں کے حقوق کی رعایت	۴۶
۵۳	بھائی چارہ سے مقصود	۴۷
۵۴	بقائے اتحاد کی صورت	۴۸

وعظ

الإخوة

(اتحاد اور بھائی چارے کی حقیقت)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ بروز یک شنبہ جلال آباد ضلع مظفر نگر ہندوستان میں یہ وعظ دو گھنٹے دس منٹ تک ارشاد فرمایا۔

جلال آباد میں مسلمانوں کی دینی ودنیوی ترقی کے لئے ایک انجمن کے قیام کا لوگوں نے ارادہ کیا اس کے طریقہ کار کے لئے حضرت سے درخواست کی اس پر حضرت قدس سرہ نے اتفاق واتحاد کے شرعی حدود بیان کرنے کے ساتھ اس بات کی وضاحت فرمائی کہ نہ ہر اتفاق پسندیدہ ہے نہ ہر نا اتفاقی جیسے بعض اتفاق محمود ہے بعض مذموم، اسی طرح بعض اختلاف محمود اور بعض مذموم ہے۔ طالبان ترقی کے لئے یہ وعظ بہت مفید ہے۔

محدث کبیر علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ضبط فرمایا تسوید تفصیلی ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ کو شروع فرمائی اور ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ کو مکمل فرمادی۔ اس وعظ کے سامعین کی تعداد تقریبا ایک سو تھی۔

احقر نے اس پر عنوانات وحواشی ۱۱ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ کو لکھنے شروع کئے اور ۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ کو مکمل کئے۔ اللہ تعالیٰ تمام قارئین کے لئے اس وعظ کو نافع بنائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾(۱)

تمہید

وقتی ضرورت کی وجہ سے میں نے یہ مضمون اختیار کیا ہے کیونکہ میں نے سنا ہے کہ یہاں اہلِ ایمان نے اپنی دینی و دنیوی اصلاح کا اہتمام کیا ہے اور سب مل کر دین پر چلنا چاہتے ہیں، اس غرض سے انہوں نے ایک انجمن قائم کرنے کا بھی خیال کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ سب مسلمانوں کو اس خیال میں متفق کریں، اس کے متعلق میں کچھ ضروری مضمون بیان کرنا چاہتا ہوں لیکن وہ ضروری مضمون یہ نہ ہوگا کہ اس غرض کا استحسان (۲) بیان کیا جائے کیونکہ اس غرض کے استحسان پر تو سب

(۱) ''مسلمان تو سب بھائی ہیں سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کردیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تم پر رحمت کی جاوے،، سورۂ حجرات: ۱۰ (۲) اچھا ہونا۔

حاضرین کا اتفاق ہے ورنہ اس کو بالاتفاق اختیار ہی کیوں کیا جاتا پھر اس کے بیان کی کیا ضرورت رہی لیکن شاید کوئی صاحب یہ ضرورت بیان کریں کہ بعض لوگ اس غرض کے استحسان (۱) میں شریک نہیں ہیں اور نہ شریک ہونا چاہتے ہیں بلکہ اس سے اختلاف رکھتے ہیں ان کی اصلاح کے لئے اس غرض کے استحسان کو بھی بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ سو میرے نزدیک یہ وجہ بھی معتد بہ نہیں (۲) کیونکہ اتفاق و اتحادِ باہمی کو کوئی بھی بُرا نہیں سمجھتا اس کے استحسان پر سب کا اتفاق ہے جو لوگ آپ کے ساتھ اس کام میں شرکت نہیں کرتے وہ آپ کی اس غرض کو بُرا نہیں کہتے بلکہ وہ حقیقت میں ایک دوسری بات کو بُرا کہتے ہیں جو واقع میں بُری ہے اور آپ کی غرض اُس کو سمجھے ہوئے ہیں جس کا منشاء گو ان کی غلط فہمی ہے جو بعد چندے زائل ہو جائے گی اور اس کے بعد وہ بھی اس اہتمام کے استحسان میں آپ کے شریک ہو جائیں گے لیکن جس بات کو وہ بُرا سمجھتے ہیں وہ تو بُری ہی ہے وہ بات یہ ہے کہ ان کو اسی میں کلام ہے کہ اس انجمن سے اہل انجمن کا مقصود اتحاد و اتفاق باہمی اور دینی و دنیوی اصلاح ہے ان کا کسی بناء پر خیال یہ ہے کہ آپ کا مقصود بڑا بننا اور جاہ حاصل کرنا ہے تو حقیقت میں ان کو آپ کے کام سے نفرت یا اعتراض نہیں بلکہ حبِ جاہ سے نفرت ہے (۳) جس کو کسی وجہ سے وہ آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور درحقیقت اگر یہ بات ہو تو وہ لوگ اختلاف میں معذور بھی ہیں کیونکہ حبِ جاہ واقعی قابل نفرت چیز ہے عقلاً بھی اور شرعاً بھی اور یہ مرض اکثر ہمارے اندر ہے ہی کثرت سے ہر شخص قریب قریب اس میں مبتلا ہے الا ماشاء اللہ (۴) تو اگر عادتِ غالبہ کی بناء پر کسی کو یہ شبہ ہو جاوے تو تعجب نہیں اب آپ کو چاہیئے کہ اپنے طرزِ عمل سے اس شبہ کو رفع کر دیں۔ (۵)

(۱) اس غرض کو اچھا سمجھنے میں (۲) یہ وجہ بھی قابل شمار نہیں (۳) اقتدار کی بحث سے نفرت ہے (۴) شاید ہی کوئی بچا ہو (۵) اس شبہ کو دور کریں۔

بڑا بننے کی خواہش کی بُرائی

اب تھوڑا سا مضمون استطراداً حبِ جاہ (۱) کے متعلق بیان کرنا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حبِ جاہ کی بعض انواع (۲) ایسی ہیں جن کو حبِ جاہ نہیں سمجھا جاتا اس پر متنبہ کرتا ہوں کہ حبِ جاہ کے افراد میں سب سے بدتر حبِ جاہ وہ ہے جو بصورتِ تواضع ہو (۳) کیونکہ اس میں دھوکا دہی اور تلبیس ہے (۴)۔ اگر حبِ جاہ بصورتِ تکبر ہو اس میں دھوکا دہی نہیں ہوتی مگر بعض لوگ وہ بھی ہیں جو تواضع اس غرض سے اختیار کرتے ہیں تاکہ ہم متواضع مشہور ہو جائیں اور لوگ ہم کو بزرگ سمجھیں یہ مخلوق کو دھوکا دیتے ہیں کہ ان کے باطن میں تو تکبر وحبِ جاہ (۵) بھرا ہوا ہے اور ظاہر میں متواضع (۶) بنتے ہیں اور یہ ان کی بڑی غلطی ہے کہ تواضع کے ساتھ طلب جاہ کی نیت (۷) کرتے ہیں کیونکہ یہ مقصود تواضع بدون نیت کے بھی حاصل ہو جاتا ہے پھر نیت کو بھی کیوں خراب کیا کیونکہ تواضع سے رفعت عطا کرنے کا حق تعالیٰ کا وعدہ ہے حدیث میں ہے: ((مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ)) کہ ''جو شخص خدا کے لئے تواضع اختیار کرے حق تعالیٰ اس کو بلندی اور رفعت عطا فرماتے ہیں'' چنانچہ اہل اللہ کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ ان حضرات نے اپنے کو جتنا مٹایا خدا تعالیٰ نے ان کو اتنا ہی چمکایا تواضع میں جذب اور کشش کی خاصیت ہے متواضع کی طرف قلب کو خود بخود انجذاب ہوتا ہے (۸) بشرطیکہ صحیح تواضع ہو تصنع اور بناوٹ نہ ہو۔ اہل اللہ کے اندر کشف وکرامت سے بھی زیادہ جو چیز دلکش و دلربا ہے وہ ان کی تواضع کے واقعات ہیں۔ کشف وکرامت سے تو معتقدین

(۱) ضمناً اقتدار کی محبت کے بارے میں (۲) بعض شاخیں (۳) عاجزی کی صورت میں تکبر ہو (۴) ملاوٹ (۵) تکبر اور بڑا بننے کی خواہش (۶) عاجزی ظاہر کرتے ہیں (۷) تواضع اور عاجزی کے ذریعے بڑا بننے کی خواہش کرتے ہیں (۸) دل کھنچتا ہے۔

ہی کو اعتقاد ہوتا ہے مخالفین ان میں نظر بندی یا شعبدہ گری یا قوت متخیلہ کے تصرف کا احتمال بھی نکال لیتے ہیں مگر تواضع کے واقعات کا سب پر اثر ہوتا ہے اس سے ان کی زیادہ وقعت ہوتی ہے۔

مولانا اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ شہید کی تواضع

اہل اللہ نے باوجود یکہ بعضے ان میں سے تیز مزاج بھی مشہور تھے اپنی طبعی تواضع سے عام مقبولیت حاصل کی ہے۔ چنانچہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ بڑے تیز مزاج اور سخت مشہور تھے مگر پھر بھی مقبولیت کا یہ حال تھا کہ مخالفین بھی مولانا کے کمال کے معتقد تھے کیونکہ بدعات کے بارے میں مولانا کی سختی طبعی نہ تھی طبعاً تو وہ بہت نرم و متواضع تھے بلکہ ان کی سختی عمداً (۱) تھی کیونکہ اس وقت ضرورت اسی کی تھی کہ سختی کے ساتھ بدعات کا صاف صاف رد کیا جائے اور کسی کی دلشکنی کی پرواہ نہ کی جائے نفع تام (۲) اسی سے ہوتا ہے گو نفع عام (۳) نہیں ہوتا یعنی ایسے شخص کی طرف لوگوں کا رجوع زیادہ نہیں ہوتا کیونکہ سختی کی وجہ سے سب ڈرتے رہتے ہیں لیکن جو پہنچ جاتا ہے اس کی اصلاح پوری ہو جاتی ہے پھر وہ غلطی میں نہیں رہ سکتا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نرمی

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں خاص نرمی تھی اس سے نفع عام تو ہوا کہ ہر قسم کے لوگ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتے تھے اور فیض صحبت سے مستفیض ہوتے تھے مگر نفع تام کسی کسی کو ہوا بعض لوگ مدتوں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس رہے اور ان کے اندر مداہنت (۴) موجود رہی کیونکہ شاہ صاحب سختی کے ساتھ روک ٹوک نہ کرتے تھے لیکن البتہ ان کی نرمی سے یہ نفع عظیم ضرور ہوا کہ انہوں نے

(۱) اختیاراً (۲) مکمل فائدہ (۳) عام فائدہ (۴) دین میں سستی یا جھوٹ کی عادت۔

لوگوں کو قبول حق کے لئے تیار کر دیا تھا نرمی کی وجہ سے لوگ بکثرت معتقد ہو کر آتے تھے اور شاہ صاحب ایسے طرز سے جس سے کسی کی دل شکنی نہ ہو حق باتیں ان کے کان میں ڈال دیتے تھے اس لئے بعد میں شاہ اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سعی کارگر ہوگئی اگر شاہ صاحب نرمی کے ساتھ لوگوں پر حق ظاہر نہ کر چکے ہوتے تو مولانا اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ اب سے زیادہ مخالفت ہوتی۔ تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نرمی بھی دینی ہی مصلحت سے تھی اور مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تیزی بھی دینی ہی مصلحت سے تھی یہ تفاوت مصالح کی بنا پر تھا باقی طبعاً مولانا شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی مزاج کے نرم ہی تھے ان کی سختی محض دینی ضرورت سے تھی۔

شاہ اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اندازِ تبلیغ

چنانچہ ایک مرتبہ محل شاہی میں آپ کا وعظ ہوا بہادر شاہ کے محل میں ایک بوڑھی بی بی تھیں جو بادشاہ کی بہن تھیں ان کو معلوم ہوا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب بی بی کی صحنک (۱) کو منع کرتے ہیں، پوچھا بیٹا اسمٰعیل میں نے یوں سنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو مولانا نے جواب دیا اماں میری کیا مجال کہ میں بی بی صاحبہ کی صحنک کو منع کروں بلکہ بی بی صاحبہ کے ابا ہی منع کرتے ہیں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بڑی بی نے کہا کیا واقعی بی بی صاحبہ کے ابا اس سے منع کرتے ہیں؟ فرمایا جی ہاں، پھر ((کل بدعة ضلالة)) (۲) پر ایک بلیغ تقریر فرمائی۔ کہنے لگیں تو اب سے ہم کبھی نہ کریں گے ہم کو اس بات کی خبر نہ تھی۔

مولانا گنگوہ بھی تشریف لائے ہیں وہاں کے پیر جیون کو آپ نے ایسے ایسے نرم جواب دیئے کہ سب لوگ حیران ہوگئے یہ واقعہ میں نے شاہ احمد حسین صاحب گنگوہی سے سنا ہے اگر مولانا میں طبعی طور پر سختی ہوتی اور مزاج ہی کے سخت ہوتے تو ہر جگہ اس کا ظہور ہوتا مگر وہ موقع ہی پر سختی کرتے تھے اور ویسے بہت نرم تھے۔

(۱) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نیاز کا کھانا یا فاتحہ (۲) ہر بدعت گمراہی ہے۔

مولانا اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تحمل

چنانچہ ایک شخص کو معلوم ہوا کہ مولانا بہت تیز مزاج ہیں اس کا تو یقین ہوگیا مگر اسے یہ خیال ہوا کہ اس بات کا امتحان کرنا چاہیئے کہ تیزی اللہ کے واسطے ہے یا نفس کے لئے اس نے اس طرح امتحان کیا کہ ایک دن آپ جامع مسجد دہلی میں وعظ فرمارہے تھے سامعین کی کثرت سے مسجد بھری ہوئی تھی اس ظالم نے بھرے مجمع میں جاکر کہا کہ مولانا میں نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں، غور کیجئے ایک شخص کو بھرے مجمع میں ایسا لفظ کہا جائے تو اس کا کیا حال ہوگا خصوصاً اس شخص کا جو وعظ کہہ رہا ہو اس کو تو اس طعن سے ایسا غصہ آئے گا کہ سارا مضمون اگلا پچھلا بھول جائے گا، مگر مولانا کے چہرہ پر اس سے بل بھی نہیں پڑا نہ تقریر میں کوئی بندش ہوئی نہایت نرم لہجہ میں فرمایا کسی نے تم سے غلط کہہ دیا ہے شرعی قاعدہ ہے: ((اَلْوَلَدُ لِلْفَرَاشِ)) کہ بچہ فراش کے تابع ہوتا ہے اور میرے ماں باپ کے نکاح کے گواہ اب تک موجود ہیں میں تو شرعاً ثابت النسب ہوں حرام زادہ نہیں (۱) اور ثابت النسب کو غیر ثابت النسب کہنا شرعاً جائز نہیں بلکہ گناہ ہے (۲)۔ یہ فرما کر پھر وہی مضمون شروع کر دیا جو پہلے سے بیان فرمارہے تھے یہ ہیں وہ واقعات جن سے خواہ مخواہ دشمنوں کے دل بھی موم ہوجاتے ہیں اور تواضع سے وہ رفعت حاصل ہوتی ہے جو تصنع (۳) سے کبھی نہیں ہوتی۔

تواضع کی عجیب مثال

ایک اور بزرگ کی حکایت ہے کہ کسی نے ان کی دعوت کی اور کہہ دیا کہ فلاں وقت مکان پر تشریف لے آیئے گا چنانچہ جب وہ وقت پر آئے تو داعی نے (۱) کہا

(۱) شرعی اصول کی بنیاد پر میرا نسب ثابت ہے (۲) جس کا نسب ثابت ہو اس کو حرام زادہ کہنا گناہ ہے
(۳) بناوٹ (۱) میزبان نے۔

کیوں آئے کیسے آئے ،فرمایا بھائی تم نے دعوت کی تھی، کہا کس نے دعوت کی تھی خواہ مخواہ لوگوں کے سر ہوتے پھرتے ہو، یہ سن کر وہ بیچارے لوٹ چلے تو وہ کہتا ہے جاتے کہاں ہو ہم نے تو دعوت کی تھی تم نخرے کرتے ہو وہ پھر واپس چلے آئے، تو کہنے لگا سبحان اللہ آپ تو کھانے کے لئے ہاتھ دھوئے پھرتے ہیں وہ بیچارے پھر لوٹنے لگے تو کچھ دور جانے کے بعد کہتا ہے عجیب آدمی ہو ہم نے تو تمہاری دعوت کی تھی میاں چلے جارہے ہو۔ کئی بار ایسا ہی کیا وہ بار بار چلے جاتے تھے اور چلے آتے تھے۔ وہ پیروں میں گر پڑا کہ حضرت میں تو دیکھنا چاہتا تھا پس میں نے آزمالیا کہ واقعی آپ بزرگ ہیں فرمایا میاں اس سے دھوکا نہ کھانا بزرگی تو وہ ہے جو انسان کے اوصاف میں ہو اور جو بات تم نے میرے اندر دیکھی ہے یہ صفت تو کتے کے اندر بھی ہے دھمکا دو تو چلا جائیگا اور روٹی دکھلا دو تو آجائیگا (یہ بات پہلے سے بھی زیادہ تواضع کی ہے ۱۲ظ)

مولانا محمد مظہر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع

حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (جو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے مدرس اول تھے ۱۲ظ) ایک بار چارپائی پر پائنتی کی طرف بیٹھے تھے کہ حجام خط بنانے آیا اور آکر کھڑا ہوگیا وہ اس کا منتظر تھا کہ مولانا سرہانے کی طرف بیٹھ جاویں تو میں پائنتی کی طرف بیٹھوں مگر مولانا سرہانے کی طرف نہ ہوئے اور اس سے فرمایا کہ کھڑا کیوں ہے بیٹھتا کیوں نہیں اس نے کہا حضور میری کیا مجال جو سرہانے بیٹھوں فرمایا اچھا یہ بات ہے تو پھر جب کبھی مجھے سرہانے بیٹھا ہوا دیکھو اس وقت خط بنا جانا اب تو میں سرہانے نہیں بیٹھتا۔ وہاں کوئی دوسرے بزرگ بھی موجود تھے انہوں نے حجام سے کہا کہ بھائی یہ تو سرہانے نہ بیٹھیں گے تو ہی سرہانے بیٹھ کر اپنا کام کر، چنانچہ مجبور ہوکر وہی سرہانے بیٹھا اور خط بنا کر چلا گیا۔ تو کیا اس سے

کچھ مولانا کی وقعت کم ہوگئی ان کی تو وہ وقعت ہوئی کہ آج تک ان کا یہ فعل مقامِ مدح(۱) میں بیان کیا جارہا ہے باقی میں یہ نہیں کہتا کہ آپ بھی ایسا ہی کریں نہیں آپ کو اجازت ہے کہ سرہانے بیٹھ کر خط بنوالیا کریں۔

حکمت وانتظام کی وجہ سے ترک تواضع

مگر سرہانے کی طرف بیٹھنے کی دو حیثیتیں ہیں ایک یہ کہ تم اپنے کو اس سے افضل سمجھو اس لئے سرہانے بیٹھو یہ تو تکبر ہے اور حرام ہے۔ اور ایک یہ کہ انتظاماً سرہانے بیٹھو تاکہ دوسرے کا دماغ نہ بگڑ جاوے پھر وہ اس عادت کی وجہ سے کسی موقع پر ذلیل ہوگا۔

اس پر اپنا واقعہ یاد آیا کہ طالب علمی کے زمانہ میں ایک بار میں گھر پر آیا تو ایک بڑے میاں غریب قوم کے میرے پاس آئے میں نے اصرار کرکے ان کو قالین پر بٹھایا اتنے میں والد صاحب تشریف لے آئے تو انہوں نے نہایت تیز لہجہ میں اس سے فرمایا کہ تجھے یہاں بیٹھنے کو کس نے کہا ہے اُٹھ اور نیچے بیٹھ، میرے دل میں خیال گزرا کہ والد صاحب نے بہت زیادتی کی آخر ہم کو اس غریب پر کونسی فضیلت حاصل ہے۔ خدا کے نزدیک نہ معلوم کون بڑا ہے جب وہ بڑے میاں چلے گئے تو والد صاحب نے فرمایا کہ تم نے تو اپنے نزدیک یہ کام تواضع کا کیا تھا مگر اس غریب کے حق میں تم نے بدخواہی کی کیونکہ آج یہاں قالین پر بیٹھ کر کل کو دوسری جگہ بھی یہ قالین ہی چاہے گا پھر وہاں اس کی کمبختی آئے گی کیونکہ سب آدمی تمہاری طرح متواضع نہیں ہیں جو ہر شخص کو اپنے سر پر بٹھلالیں، اس وقت معلوم ہوا کہ والد صاحب کا فعل حکمت وانتظام پر مبنی تھا پس جو شخص منتظم ہو وہ تو حفظ مراتب کی رعایت کرے اور جو شخص ایسا نہ ہو وہ آزاد رہے۔ خواہ وہ آزاد دنیادار ہو یا دین دار۔

(۱) تعریف کے موقع میں بیان کیا جارہا ہے۔

کیونکہ بعض دینداروں کا بھی یہ مذاق ہوتا ہے کہ چاہے کوئی معتقد ہو یا نہ ہو کسی کو ان سے فیض ہو یا نہ ہو ان کو کچھ پرواہ نہیں ہوتی چنانچہ احمد جام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

احمد تو عاشقی بمشیخت تراچہ کار دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد (۱)

حبِ جاہ کی بدترین صورت

یہ واقعات میں نے اپنے اس دعوے کی تائید میں بیان کئے ہیں کہ اہل اللہ کے واقعات تواضع کے بہت ہی دلکش ہیں سو دیکھ لیجئے ان واقعات میں کیسی دلکشی ہے پس جاہ تو تواضع سے خود ہی حاصل ہوجاتا ہے اس کی کیا ضرورت ہے کہ تم جاہ کی نیت بھی کرو بلکہ اس میں سراسر نقصان ہے ایک تو یہ کہ تواضع کا ثواب نہیں ملتا بلکہ تلبیس (۲) کا گناہ ہوتا ہے دوسرے یہ کہ تواضع بہ نیت جاہ حقیقت میں تو تواضع ہے نہیں محض تصنع (۳) ہوتا ہے اور تصنع ساری عمر نہیں چلا کرتا کبھی نہ کبھی قلعی کھل جاتی ہے تو اس کی بدنامی متکبرین سے بھی زیادہ ہوتی ہے اور مقصود بھی حاصل نہیں ہوتا ساری محنت رائیگاں جاتی ہے اور تواضع للہ میں ثواب بھی حاصل ہے اور جاہ دنیا بھی اور جاہ نہ بھی ہو تو ثواب تو کہیں نہیں گیا۔ پس یہ بڑی غلطی ہے جو بعض لوگ کررہے ہیں کہ حبِ جاہ کی نیت سے تواضع اختیار کرتے ہیں اور بزرگ بننے کے لئے بہت سی نفلیں پڑھتے ہیں یہ لوگ دین کو دنیا کا اور طاعت کو معصیت کا آلہ بنارہے ہیں تو یہ صورت حبِ جاہ کی سب سے بدتر ہے۔

مخالفت کو موافقت سے بدلنے کی بہترین تدبیر

میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے بعض کاموں میں جو بعض افراد مخالفت کرتے

(۱) احمد تو تو عاشق ہے مشیخت سے تجھے کوئی سروکار نہیں محبوب کے عشق میں دیوانہ بن کے رہ تیرا سلسلہ بیعت وارشاد چلے چلے نہ چلے نہ چلے (۲) ملاوٹ کا گناہ ہوتا ہے (۳) صرف بناوٹ ہے۔

ہیں اس کا منشا یہ ہے کہ ان کو ہماری نسبت حبِ جاہ و کبر کا خیال ہے ورنہ اتحاد باہمی کے استحسان میں کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا۔ اس نزاع کا علاج یہ ہے کہ تم اپنی اصلاح کرو اگر واقعی تمہارے اندر یہ مرض ہے تو اس کو اپنے نفس میں سے نکال دو اور اگر نہیں ہے تو مخالفین سے بحث نہ کرو کہ تم کو ہماری نیت پر حملہ کرنے کا کیا حق ہے بلکہ ان سے یوں کہو کہ بھائی ہماری نیت بڑا بننے کی نہیں ہے بلکہ کام کرنا مقصود ہے کام ہونا چاہئے باقی عہدہ تو جو سب سے بڑا ہو وہ تم خود لے لو ہم کو عہدہ کی ضرورت نہیں آپ ذرا ایسا کر کے دیکھیں ان شاء اللہ سب مخالفین موافق ہو جائیں گے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴾ (۱)

''بھلائی سے بدی کو دفع کرو پھر جلدی ہی وہ شخص جس کے اور تمہارے درمیان عداوت ہے ایسا ہو جائیگا جیسا خالص دوست'' پس ذرا تم لوگوں سے یہ کہو تو کہ صاحب بڑا عہدہ آپ لے لیں اور چھوٹا عہدہ ہمیں دیدیں یا کوئی بھی عہدہ نہ دیں بلا عہدہ ہی کے ہم سے کام لے لیں پھر دیکھئے مخالفت موافقت سے بدلتی ہے یا نہیں مگر آج کل تو مصیبت یہ ہے کہ کام سے پہلے لوگوں کو عہدوں کی فکر ہو جاتی ہے کوئی سیکرٹری بن جاتا ہے کوئی سپرنٹنڈنٹ اور کام کا پتہ بھی نہیں، صاحبو! کام کرنے کا یہ طریقہ نہیں کام کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو شروع کرو پھر جو شخص جس عہدہ کا زیادہ اہل نظر آئے گا لوگ خود بخود اس کو وہ عہدہ دیدیں گے۔

شبہ کا جواب

شاید یہاں اسی آیت کے مضمون پر کسی کو یہ شبہ ہو کہ بعض دفعہ ہم کسی سے

(۱) سورۂ زمر: ۳۴۔

بہت ہی نرمی کرتے ہیں مگر پھر بھی دوسرے پر اثر نہیں ہوتا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تم کو کیا خبر کہ نفع نہیں ہوا ممکن ہے اگر تم نرمی نہ کرتے تو وہ اب سے زیادہ درپے ہوتا جیسے کوئی شخص دوا استعمال کرے اور پوری شفا نہ ہو تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ نفع بالکل نہیں ہوا کیونکہ ممکن ہے کہ دوا نہ کرنے سے مرض کو اور ترقی ہو جاتی اسی لئے یہاں حق تعالیٰ نے: ﴿ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴾ مطلقاً نہیں فرمایا بلکہ: ﴿ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴾ فرمایا ہے اس میں اشکال کا خود جواب ہے کہ اس برتاؤ سے عداوت کی تقلیل (۱) ہو جاتی ہے اور تقلیل عداوت سے دوستی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے (۲) اور نرمی کے برتاؤ میں تقلیل عداوت کا خاصہ ضرور ہے (۳)۔

دوسرا جواب

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں حق تعالیٰ نے اس فعل کی خاصیت بیان فرمائی ہے اور ظہور خاصیت کے لئے عدم مانع شرط ہے (۴) ہے جیسے دوا نافع ہے (۵) مگر بعض دفعہ کوئی خلط فاسد (۶) غالب ہوتی ہے تو دوا کا نفع ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ ظہور نفع کے لئے کسی خلط فاسد کا غالب نہ ہونا شرط ہے اسی طرح ((دَفْعُ السَّيِّئَةِ بِالْحَسَنَةِ)) (۷) کا نفع ظاہر ہونے کے لئے سلامت طبع مخاطب کی شرط ہے اگر مخاطب کی طبیعت میں سلامتی نہ ہوگی تو اس فعل کا اثر ظاہر نہ ہوگا۔

---

(۱) دشمنی میں کمی آجاتی ہے (۲) دشمنی میں کمی آنے سے اصلاح کی صورت پیدا ہو جاتی ہے (۳) نرم برتاؤ میں دشمنی کم کرنے کی خاصیت ہے (۴) خاصیت کے ظاہر ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ کوئی چیز اس خاصیت کو روکنے والی نہ ہو (۵) مفید (۶) انسان کے جسم میں چار خلط ہیں جب تک سب صحیح رہیں انسان صحت مند رہتا ہے بعض مرتبہ کسی خلط میں زیادتی یا خرابی کی وجہ سے دوا اثر نہیں کرتی (۷) بدی کو بھلائی سے ٹال دینا۔

اصلاح کے مختلف طریقے

پس جس طرح طبیب اول تقلیل مادہ (۱) کی کوشش کرتا ہے کہ مرہم وغیرہ سے دنبل کو تحلیل (۲) کرنا چاہتا ہے اور اگر اس سے نہ کام چلے تو پھر نشتر (۳) لگاتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ نے امراضِ باطنہ کے متعلق ہم کو یہی طریقہ تعلیم کیا ہے کہ اول تو مخالف کے ساتھ نرمی کرو اگر اس سے اس کی عداوت کم ہوجائے اور وہ آدمی بن کر رہے تو مدعیٰ حاصل ہوگیا اور جو اس سے نہ کام چلے تو یہ ثابت ہوگا کہ اس کا مادہ فاسد بہت غالب ہے اب اس کے لئے نشتر کی ضرورت ہے چنانچہ دیگر نصوص میں امر قتال (۴) ایسے ہی لوگوں کے واسطے ہے پس ان نصوص (۵) کے ملانے سے معلوم ہوگیا کہ اس جگہ پر جو حکم مذکور ہے یہ حکم عام نہیں بلکہ سلامت طبع مخاطب کے ساتھ مقید ہے اور جس کی طبیعت نہایت کج ہو (۶) اس کا علاج نشتر ہے کیونکہ یہ بھی ایک علاج ہے مادۂ فاسدہ جب قابل تحلیل نہ ہو تو اس کا نکال کر باہر کردینا ہی ضروری ہے (۷) ورنہ تمام جسم کو خراب کردیگا۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ نے مخلوق کی اصلاح کے لئے جہاں چار کتابیں نازل فرمائیں وہاں پانچویں چیز آہنی سلاخ بھی نازل کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ (۸) حدید کے لئے بھی "انزلنا" فرمایا ہے جیسا کہ کتابوں کے لئے "انزلنا" فرمایا ہے اور مولانا آہنی سلاخ کی تفسیر نعل دار جوتا (۹) سے فرمایا کرتے تھے اور اس کا نام روشن دماغ رکھا تھا کیونکہ

(۱) جیسے حکیم ابتداءً فاسد مادہ میں کمی کی کوشش کرتا ہے (۲) پھوڑے وغیرہ کو نرم کرتا ہے (۳) اس سے کام نہ چلے تو چیرا لگاتا ہے (۴) جہاد کا حکم (۵) ان شرعی دلائل کے ملانے سے معلوم ہوگیا (۶) جس کی طبیعت میں ٹیڑھا پن ہو (۷) فاسد مادہ جب جسم میں ختم نہ ہوسکتا ہو تو چیرا دے کر اس کو باہر نکالنا ہی ضروری ہوتا ہے (۸) "اور ہم نے لوہے کو پیدا کیا جس میں شدید ہیبت ہے اور لوگوں کے اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں" سورۂ حدید: ۲۵ (۹) چمڑے کا جوتا۔

اس سے دماغ روشن ہوجاتا ہے اور خناس نکل جاتا ہے اس مضمون میں مولانا کا ایک شعر بھی ہے ؎

اَلْوَعْظُ یَنْفَعُ لَوْ بِالْعِلْمِ وَالْحِکَمِ وَالسَّیْفُ اَبْلَغُ وَعَاظٍ عَلَی الْقِمَمِ (۱)

مولانا سیف کو بھی وعظ بلکہ تمام واعظوں سے ابلغ واعظ فرماتے ہیں۔

اس وقت مذہبی بیان ہے مجھے سیاسیات کی تفصیل سے اس وقت کوئی بحث نہیں اور نہ ہم سیاسیات میں دخل دیتے ہیں ہم کو صرف احکام کا بتلانا مقصود ہے کہ اسلام کی تعلیم ایسی جامع مانع ہے جس پر نقص کا وہم بھی نہیں ہوسکتا اور اس مقصود کے لئے اسلامی تعلیم کا مکمل طور پر بتلانا ضروری ہے یہاں پالیسی نہیں چل سکتی اس لئے جو تعلیم ہمارے یہاں موجود ہے ہم اس کو چھپا نہیں سکتے۔

معیار سختی

شاید اس سے کوئی صاحب یہ نتیجہ نکالیں کہ جب شریعت نے سختی کو بھی علاج بتلایا ہے تو بس آج سے ہم بھی سختی کیا کرینگے، تو صاحبو! خدا سے مسابقہ ہے حق تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے وہ نیت کو دیکھتے ہیں پس اپنے دل میں سختی کے وقت خود غور کرلو کہ ہم جو اس شخص کو سزا دے رہے ہیں اس میں نیت کیا ہے آیا اپنا شفاء غیظ مقصود ہے یا اس کی اصلاح (۲)۔ بھلا عوام و رؤساء تو اصلاح کی نیت کیا کرتے معلم اور استاد جن کا کام ہی اصلاح ہے اور بچے ان کے سپرد کئے جاتے ہیں اصلاح ہی کے واسطے وہ بھی بعض دفعہ غصہ میں بچوں کو خوب دُھنتے ہیں (۳) اور اس وقت اصلاح کا قصد مطلق نہیں ہوتا، بیوی سے لڑکر آئے تھے اور غصہ بچوں پر نکالا،

(۱) وعظ علم اور دانائی کی باتوں کے سبب نفع دینے والا ہے لیکن تلوار بہت بڑی ناصح ہے جو سروں پر پڑ کر مفید ہوتی ہے (۲) اپنا غصہ نکالنا مقصود ہے یا اس کی اصلاح (۳) خوب پٹائی کرتے ہیں۔

کمہار کا کمہاری پر بس نہ چلا گدھے کے کان مڑوڑ دیئے، یہ ضرور ہے کہ اصلاح کے لئے سختی کی بھی اجازت ہے اگر ضرورت ہو۔

غصہ کی حالت میں سزا نہ دی جاتے

مگر اس کے لئے یہ بھی قید ہے کہ غصہ کی حالت میں سزا نہ دی جائے کیونکہ غصہ میں ضرورت و بے ضرورت کی مقدار کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ حضور ﷺ نے غصہ کا دستور العمل کیا اچھا بیان فرمایا ہے میں بقسم کہتا ہوں کہ حضور ﷺ کی تعلیم کے برابر کسی کی بھی تعلیم نہیں ہوسکتی لوگ اس دستور العمل کے سامنے اپنے اپنے دستور العمل لائیں اور موازنہ کریں آپ فرماتے ہیں:

((لَا يَقْضِيَنَّ قَاضٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانٌ))(۱) یعنی حاکم کو چاہئیے کہ غصہ کی حالت میں کبھی فیصلہ نہ کرے بلکہ اس وقت مقدمہ کو ملتوی کردے تاریخ بڑھادے اور یہاں حاکم سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کی دو آدمیوں پر حکومت ہو اس میں معلم اور استاد بھی داخل ہیں اور گھر کا مالک بھی کیونکہ اپنے گھر میں بھی ہر شخص حاکم ہے اور رؤساء اور حکام تو داخل ہی ہیں پس غصہ کی حالت میں کبھی سزا نہ دو بلکہ اس وقت کو ٹال دو اور بعد میں خوب سوچو کہ یہ عمل کتنی سزا کے قابل ہے پھر سوچ سمجھ کر سزا دو۔

سزا کا تعیّن کسی عالم سے کراؤ

مگر سزا کی مقدار بھی کسی عالم سے پوچھو اپنی رائے سے تجویز نہ کرو اور عالم کو بھی چاہئیے کہ جواب جلدی نہ دے بلکہ سوچ کر جواب دے اور جو مسئلہ پیچیدہ ہو اس کا جواب زبانی کبھی نہ دے بلکہ سائل سے اگر وہ دور کا ہو کہہ دے کہ سوال لکھ کر جواب کے لئے لفافہ دے جاؤ ہم ڈاک سے جواب بھیج دیں گے کیونکہ زبانی

(۱) حاکم/قاضی فریقین کے مابین غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔

جواب میں عجلت (۱) کی وجہ سے بعض قیود رہ جاتی ہیں۔ یہ قاعدہ میں میانجیوں کو بھی سناتا ہوں اور رؤساء کو بھی اور پولیس والوں کو بھی، مگر یہ میانجی نہیں مانیں گے کیونکہ سوچ کر سزا دینے میں مزا نہیں آتا مزا تو غصہ ہی میں مارنے سے آتا ہے مگر وہ یاد رکھیں کہ اس وقت تو آپ کو بچوں کے مارنے میں مزا آتا ہے اور قیامت میں جب آپ کو سزا ملے گی تو مظلوموں کو مزا آئے گا اس لئے ہمیشہ غصہ کو ٹال کر سزا دو اور کسی عالم سے سزا کی مقدار معلوم کر کے جتنی وہ بتلادے اتنی سزا دو اسی طرح رؤساء و حکام کو علماء سے پوچھ کر فیصلہ کرنا چاہئے اپنی رائے سے فیصلہ نہ کریں حدیث میں آیا ہے کہ ”طبیب ناواقف اور جاہل فیصلہ کرنے والا دونوں جہنم میں ہیں گو ان کی نیت درست ہی ہو“ مگر خوش فہمی سے کام نہیں چلتا یہاں علم کی ضرورت ہے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط

ابھی قریب زمانہ میں قومی پنچائتیں قائم ہوئی تھیں میں اس تحریک میں بھی شریک نہیں ہوا گو بعض لوگوں نے کہا بھی کہ یہ تو اچھا کام ہے میں نے کہا کہ عدل شرعی کی رعایت تو نہ ان پنچائتوں میں ہوگی نہ عدالت میں ہوتی ہے تو غیر عادل ہونے میں تو دونوں برابر ہیں لیکن اول تو عدالتیں ہم نے تو مقرر نہیں کیں ان کی کاروائی ہماری طرف منسوب نہیں اور پنچائتیں ہماری بنائی ہوئی ہیں ان کے افعال ہماری طرف منسوب ہیں، دوسرے عدالت میں عدم عدل کے ساتھ آئین کی پابندی تو ہے اور یہاں کوئی آئین بھی نہ ہوگا تو بڑا فساد ہوگا چنانچہ اسی قاعدہ کو دیکھ لیجئے ((لَا يَقْضِيَنَّ قَاضٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانٌ)) کہ پنچائتوں میں اس پر کون عمل کرتا ہے پھر چند روز کے بعد ان پنچائتوں سے جو کچھ فساد ہوا سب نے دیکھ لیا۔

(۱) جلدی۔

شرعی سزاؤں کے نفاذ میں نرمی نہ کرو

بہرحال شریعت میں سختی کے موقع پر غضب کی حالت میں فیصلہ کی تو ممانعت ہے لیکن قضاء فی غیر الغضب (۱) کے بعد سختی کی اجازت ہے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (۲) ''کہ زنا کاروں پر حکم خداوندی جاری کرنے میں تم کو شفقت نہ پکڑے اگر تم کو اللہ پر اور آخرت پر ایمان ہے اور چاہیئے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہو'' یعنی عدل فقط نرمی ہی کا نام نہیں بلکہ جہاں سختی کی ضرورت ہو وہاں سختی کرنا بھی عدل ہے اس موقع پر نرمی کرنا ظلم ہے پھر قرآن کی کیا بلاغت ہے کہ یوں نہیں فرمایا: ((لَا تَكُنْ بِكُمْ رَافَةٌ)) کہ مجرموں کو سزا دیتے ہوئے تمہارے دل میں بھی شفقت نہ ہو بلکہ ﴿لَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَافَةٌ﴾ فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ شفقت کا ایسا غلبہ نہ ہونا چاہیئے جو حد شرعی کے جاری کرنے کے وقت تم پر ایسی غالب آجائے کہ اس کے جاری کرنے سے تمہارا ہاتھ پکڑ لے باقی حد جاری کرتے ہوئے اگر دل میں شفقت ہو تو اس کا مضائقہ نہیں وہ شفقت طبعی ہوگی جس کی ساتھ غیظ عقلی وشرعی بھی ہوگا (۳)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے بیٹے کو سزا دینا

اور یہ بڑا کمال ہے کہ شفقت طبعیہ کے ساتھ غیظ شرعی بھی مجتمع ہے (۴) صاحبو! اجراءِ حد کے وقت مسلمانوں کا جو کچھ حال ہوتا ہوگا اس کو ان کے ہی دل جانتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے ابوشحمہ پر حد خمر جاری کی تھی تو کیا ان کا دل اندر سے نہ روتا ہوگا ضرور روتا ہوگا کیونکہ اولاد کے ساتھ طبعاً محبت ہوتی ہے مگر اسی

(۱) جو فیصلہ غصہ کی حالت میں نہ کیا گیا ہو اس میں جو سزا تجویز کی اس کی اجازت ہے (۲) سورۂ نور:۲
(۳) اس کے ساتھ عقلی وشرعی غصہ بھی ہوگا (۴) طبعی شفقت کے ساتھ شرعی غصہ کا جمع ہونا عین کمال ہے۔

کے ساتھ حکم شرعی سے حد بھی جاری کی طبعی محبت اجراءِ حد(۱) سے ان کو مانع نہ ہوئی۔

مسلمانوں میں احکام کی بجا آوری

اسی طرح مسلمان جب جانوروں کو ذبح کرتے ہیں تو ان کے دل پر آرہ چلتا ہے مگر حکم کی وجہ سے ذبح کرتے ہیں یہ بڑا کمال ہے کہ دل کُڑھ رہا ہے اور پھر حکم کا امتثال (۲) کررہے ہیں، بعض قومیں اس پر اعتراض کرتی ہیں مگر اس میں شریک وہ بھی ہیں کیونکہ جانور جانور سب برابر ہیں اور بعض جانوروں کو وہ بھی مارتے ہیں کوئی جوں کو مارتا ہے کوئی کھٹمل کو کوئی چوہے کو کوئی سانپ بچھو کو، کیوں صاحب کیا یہ ہتیا نہیں ہے(۳)؟ اور بعضے ہندو کمال کرتے ہیں خود اپنے ہاتھ سے تو نہیں مارتے بلکہ ہمارے محلّہ میں چوہوں کو چھوڑ جاتے ہیں تاکہ ہم ماردیں۔

جانوروں کو ذبح کرنا بے رحمی نہیں

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر جانوروں کا مارنا بے رحمی ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ تمہارے نزدیک حق تعالیٰ بھی رحیم ہیں یا نہیں؟ یقیناً ہیں پھر بتلاؤ کہ حق تعالیٰ بھی جانوروں کو مارتے ہیں یا نہیں؟ یقیناً مارتے ہیں تو کیا اس کو بھی بے رحمی کہو گے؟ ہرگز نہیں، جب یہ بے رحمی نہیں تو مسلمان ہی کیوں بے رحم ہیں وہ تو وہی کام کرتے ہیں جو حق تعالیٰ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ مالک ہیں چاہے وہ خود بلاواسطہ ماردیں یا اپنے نوکر اور غلام کے ہاتھ سے ماردیں اب یہ سوال باقی رہا کہ اس کی کیا دلیل ہے کہ مسلمان خدا کے حکم سے مارتے ہیں تو اس کا ثبوت ہم ہر وقت دینے کو تیار ہیں ہم دلائل سے قرآن کا کلام اللہ ہونا اور رسول اللہ ﷺ کا رسول برحق ہونا ہر وقت ثابت کرسکتے ہیں اور قرآن وحدیث میں حکم ذبح موجود ہے تو مسلمان یقیناً

(۱) شرعی سزا کے جاری کرنے سے (۲) حکم کی بجا آوری (۳) یہ کسی کو مارنا/قتل کرنا نہیں ہے۔

حکم الٰہی سے ذبح کرتے ہیں۔

ذبح کرنے کا عقلی فائدہ

تیسری بات یہ ہے کہ ذبح کرنے والوں کو بے رحم کہنا فلسفہ کے قاعدہ سے بھی بالکل غلط ہے بلکہ قاعدہ فلسفہ کا مقتضا یہ ہے کہ جو لوگ ذبح نہیں کرتے وہ زیادہ بے رحم ہوتے ہیں کیونکہ اطباء وفلاسفہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس قوت سے کام نہ کیا جائے وہ رفتہ رفتہ زائل ہوجاتی ہے جیسے ترکِ جماع عِـنِّیَّتْ (۱) کا سبب ہوجاتا ہے اسی طرح انسان میں ایک صفت کڑھنے (۲) کی ہے اگر اس کا کوئی سبب واقع نہ ہو تو یہ صفت زائل ہوجائے گی۔ ہندو چونکہ ذبح نہیں کرتے اس لئے ان کی یہ صفت معطل رہتی ہے (۳) اور مسلمانوں کی یہ صفت ذبح کے وقت حرکت میں آتی ہے۔ میں بقسم کہتا ہوں کہ ذابح (۴) سے زیادہ رحم غیر ذابح کبھی نہیں ہوسکتا۔

مصیبتوں کے نزول کا فائدہ

اسی لئے حق تعالیٰ انسان پر مصائب نازل کرتے ہیں تا کہ اس کو اہل مصیبت پر رحم وشفقت بڑھے اور جس میں یہ صفت نہ ہو اس میں پیدا ہوجائے کیونکہ جس شخص پر نزول مصائب نہ ہو وہ سنگدل ہوجاتا ہے اسی لئے حضرت یوسف علیہ السلام زمانۂ قحط میں خود بھی کم کھایا کرتے اور اکثر اوقات بھوکے رہا کرتے تھے تا کہ قحط زدوں پر رحم آئے کہ ان کو بھی بھوک سے ویسی ہی تکلیف ہوتی ہوگی جیسے مجھے ہورہی ہے حالانکہ آپ کے یہاں اناج کے کوٹھے بھرے ہوئے تھے اور جو شخص دونوں وقت پیٹ بھر کے کھائے گا اسے بھوکوں پر کیا خاک رحم آئیگا،

(۱) جماع کا چھوڑ دینا نامردی کا باعث ہوجاتا ہے (۲) طبعی رنج ہونا (۳) ان کی یہ صفت طبعی رنج ہونے کی ختم ہوجاتی ہے (۴) ذبح کرنے والا۔

کیونکہ اسے تو بھوک کی حقیقت ہی معلوم نہیں۔

مشورہ کی اہمیت

میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر کسی شخص کی اصلاح سختی پر موقوف ہو تو وہاں سختی کی بھی اجازت ہے مگر اسکا طریقہ یہ ہے کہ اول مرہم سے کام لو اور اگر مرہم سے کام نہ چلے بلکہ آپریشن ہی کی ضرورت ہو تو آپریشن کرو مگر چند ماہروں کو مشورہ (۱) میں شریک کرلو گو وہ تم سے چھوٹے ہی ہوں جیسے ڈاکٹر آپریشن کے وقت اسسٹنٹ کو بھی بلالیتا ہے حالانکہ وہ درجہ میں اس سے چھوٹا ہے۔

اشکال کا جواب

یہ مضمون اس پر چلا تھا کہ آیت: ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴾ پر یہ اشکال ہوتا تھا کہ بعض دفعہ نرمی سے فائدہ نہیں ہوتا میں نے اس کا ایک جواب یہ دیا تھا کہ یہ آیت سلامت طبع مخاطب کے ساتھ مقید ہے اور جن کی طبیعت میں سلامتی نہ ہوں ان کے لئے دوسرا حکم ہے مگر مسلمانوں میں تو زیادہ تر سلیم الطبع ہی ہیں اس لئے تم اپنے مخالفوں کو کج طبع نہ سمجھو اور نہ اپنے کام کا مخالف سمجھو بلکہ ان کی مخالفت کو غلط فہمی پر محمول کرو مثلاً یہ کہ وہ تمہاری نسبت بڑا بننے اور طالب جاہ ہونے کا خیال کرتے ہیں اس لئے شرکت نہیں کرتے ان کے فعل کو اس پر محمول کرکے ان کے ساتھ نرمی کرو اور نرمی سے اصلاح کی کوشش کرو۔

غرض یہ ایک شبہ تھا جو بعض لوگوں کو ہوسکتا تھا کہ چونکہ بعض لوگ اس کام

---

(۱) الیہ الاشارۃ فی قولہ ﴿ وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ والصراحۃ فی قولہ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ﴾ ۱۲ جامع۔

کے مخالف ہیں اس لئے استحسان اتحاد کے بیان کی بھی ضرورت ہے سو میں نے اس کو رفع کر دیا کہ مخالفت کی بناء استحسان اتفاق میں کلام نہیں ہے بلکہ اجتہادی غلطی ہے۔

بقائے اتحاد کی ضرورت اور اہمیت

پس مجھے اس وقت اتحاد و اتفاق کے استحسان کا بیان کرنا مقصود نہیں کیونکہ یہ تو کھلی ہوئی بات ہے بھلا جب دو آدمی بھائی بھائی ہوں ان سے یہ کہنا کہ تم بھائی بھائی ہو اور اپنے کو بھائی بھائی سمجھو، فضول بات ہے اسی لئے میں نے کبھی اس کے استحسان پر تقریر نہیں کی گو آج کل لوگ اس موضوع پر بہت تقریریں کرتے ہیں۔ بلکہ مجھے اس وقت صرف یہ بیان کرنا ہے کہ اتحاد مطلوب (۱) کے دو درجے ہیں ایک اس کا حدوث دوسرے بقاء، میں ان دونوں درجوں کے اسباب بیان کروں گا کہ حدوث اتحاد کی بنیاد کیا ہونی چاہئیے اور اس کے بقاء کا طریقہ کیا ہے اور وہ اسباب ایسے ہیں جو شرعی پہلو سے بھی ظاہر ہیں اور عقلی پہلو سے بھی، اور اسباب بقاء کی تحقیق زیادہ اہم ہے اس لئے کہ آجکل ہم لوگوں میں اتحاد و اتفاق پیدا تو ہوتا ہے مگر باقی نہیں رہتا۔ میں اس کا سبب شرعی پہلو سے بتلاؤں گا جو عقل کے بھی مطابق ہے مجھے عقل کا نام لیتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کیونکہ عقل باندی ہے اور شریعت سلطان ہے پس عقل کی تائید سے شریعت کی بات کو ماننا ایسا ہے جیسے غلام کی جی ہاں جی ہاں کو سنکر بادشاہ کی بات کو مانا جائے اور اس کا حماقت ہونا ظاہر ہے۔ بادشاہ کی بات خود حجت ہے غلام کی تصدیق سے اس کو حجت سمجھنا سراسر حماقت ہے مگر کیا کیا جائے آج کل عقل پرستی کا غلبہ ہے لوگوں کی سمجھ میں وہی بات آتی ہے جو عقل کے مطابق ہو اس لئے تبرعاً (۲) میں عقلی پہلو سے بھی ان اسباب کو بیان

(۱) یعنی وہ اتحاد جو شریعت کی نظر میں مقصود و محمود ہے (۲) استحساناً۔

کروں گا گو میرا اصلی مذاق اس کے خلاف ہے، پس سنئے کہ آج کل دیکھا جاتا ہے کہ ہم لوگوں میں اتحاد باقی نہیں رہتا بلکہ ایک اتحاد ہی کیا مجھے تو ایسی بدگمانی ہے کہ جب یہ سنتا ہوں کہ مسلمانوں نے کوئی کام شروع کیا ہے تو سب سے پہلے یہ خیال ہوتا ہے کہ دیکھئے استقلال کے ساتھ چلے گا بھی یا نہیں، کیونکہ میں رات دن دیکھتا ہوں کہ نہ ہمارے کارخانے چلتے ہیں نہ انجمنیں نہ مدرسے نہ اتحاد و اتفاق(۱) ہاں ایک چیز ہمیشہ چلتی ہے وہ کیا جوتا اور لٹھ(۲) یہ ایک بار جہاں چلا پھر تمام عمر چلتا رہتا ہے چاہے اس کی بنیاد کیسی ہی کمزور ہو مگر شاخیں مضبوط ہو جاتی ہیں جیسے عرب میں جاہلیت کے زمانہ میں ایک گھوڑ دوڑ ہوتی تھی جس میں ایک فریق کا گھوڑا آگے نکل گیا تو اسی بات پر صدیوں تک لڑائی رہی، ہماری حالت آج کل اہل جاہلیت کی حالت کے مشابہ ہے کہ ذرا سی بات پر جہاں جوتا چلا پھر وہ برسوں تک چلتا رہتا ہے۔ باقی اتحاد و اتفاق اس کی عمر ہمارے یہاں بہت تھوڑی ہے گو لیکچرار حدوث اتحاد کی بہت کوشش کرتے رہتے ہیں اور اس پر تقریریں بھی بہت ہوتی ہیں مگر آج تک کسی نے بقائے اتحاد کے اسباب بیان نہیں کئے نہ عدم بقاء کے اسباب کو مرتفع کیا(۳) حالانکہ سب سے پہلے یہ مسئلہ قابل غور تھا۔

پنچائیتی فیصلے کرنے کا شرعی اصول

اس لئے اس وقت میں اسی کو بیان کرنا چاہتا ہوں اور اسی کے ضمن میں اسباب صحیحہ حدوث کے بھی مذکور ہو جائیں گے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾

(۱) چنانچہ جس موقع پر یہ بیان ہوا تھا وہاں بھی جس کام کو شروع کیا گیا تھا وہ نہیں چلا ۱۲ جامع (۲) لاٹھی (۳) نہ اتحاد کے باقی نہ رہنے کے اسباب کو دور کیا۔

''مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں پس (اگر کبھی ان میں نزاع ہو تو) اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو''۔ یہاں ﴿فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ﴾ میں اس پر تنبیہ ہے کہ پنچوں کو کسی ایک فریق کی رعایت نہ کرنی چاہیئے بلکہ دونوں کو اپنا بھائی سمجھ کر اس طرح صلح کرانی چاہیئے جیسے حقیقی دو بھائیوں میں صلح کرائی جاتی ہے کہ ان میں سے کسی کا اضرار بھی (۱) گوارا نہیں ہوتا اور صلح کرانے کا طریقہ یہ نہیں جو آج کل رائج ہے کہ دونوں فریق کو کچھ کچھ دبایا جاتا ہے یہاں تک کہ جس کا حق ہوتا ہے اس کو بھی دبایا جاتا ہے بلکہ صلح کرانے کا طریقہ یہ ہے کہ جو حق پر ہو اس کو غلبہ دیا جائے اور جو ناحق پر ہو اس کو دبایا جائے کیونکہ صاحبِ حق کو دبانا اضرار ہے (۲) اور غیر صاحب حق کو دبانا اضرار نہیں بلکہ اس میں تو اسے اضرار سے روکنا ہے مگر آج کل عجیب دستور ہے کہ صاحب حق کو دبانا اضرار نہیں بلکہ اس میں تو اسے اضرار سے روکنا ہے مگر عجیب دستور ہے کہ صاحب حق وغیر صاحب حق دونوں کو دباتے ہیں سو یہاں اصلاح سے یہ مراد نہیں جس کی دلیل یہ ہے کہ اس سے پہلے ارشاد:

﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْ م بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ﴾ (۳)

یعنی ''اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں باہم لڑنے لگیں تو اُن کے درمیان صلح کراؤ پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر ظلم کرے تو جو زیادتی اور ظلم کرے تو اس سے سب مل کر قتال کرو یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی طرف واپس آجائے'' اس سے صاف معلوم ہوا کہ اصلاح کے معنی یہ ہیں کہ حکم الٰہی کے موافق فیصلہ کیا جائے اور یقیناً صاحب حق کو دبانا حکم الٰہی کے خلاف ہے پس اگر فریقین حکم الٰہی کے مطابق فیصلہ

(۱) کسی کا نقصان (۲) اس کو نقصان پہنچانا ہے (۳) سورۂ حجرات: ۹۔

پر راضی ہوجائیں فبہا ورنہ جو ظلم پر کمربستہ ہو اور دوسرے کا حق مارنا چاہتا ہو سب کو اس سے لڑنے کا حکم ہے یہ حکم نہیں ہے کہ بس جس طرح ہو صاحب حق کا گلا گھونٹ کر لڑائی موقوف کردو، آج کل لوگوں نے اصلاح اسی کو سمجھ رکھا ہے کہ بس لڑائی موقوف ہوجائے چاہے صاحبِ حق ہی کو دبادیا جائے مگر شریعت نے اس کو اصلاح نہیں سمجھا بلکہ شرعاً اصلاح یہ ہے کہ حق بمقدار رسد اور جو دوسرا فریق حق دار کے حق دینے میں پس وپیش کرے تو پھر حکم یہ ہے کہ سب مل کر اس کو دباؤ اور لڑائی کی ضرورت ہو تو سب اس سے لڑو۔

حدود اتفاق وافتراق

اس سے معلوم ہوا کہ اصلاح میں بعض دفعہ سختی کرنا اور قتال کرنا بھی مستحسن ہے یعنی اگر اتفاق قائم کرنے میں نا اتفاقی کی ضرورت ہو تو اس وقت وہ بھی مستحسن ہے خلاصہ یہ ہے کہ نا اتفاقی کی غرض سے اتفاق کرنا تو بُرا ہے اور اتفاق کی غرض سے نا اتفاقی کرنا جائز بلکہ واجب ہے، مثلاً چار آدمی اس غرض سے اتفاق کریں کہ پانچویں سے نا اتفاقی کریں گے یہ مذموم ہے اور یہیں سے یہ معلوم ہوگیا کہ اگر خدا تعالیٰ سے نا اتفاقی کرنے پر اتفاق ہو یعنی معاصی پر اجماع ہو تو وہ کیوں بُرا نہ ہوگا، یقیناً یہ اتحاد سب سے بدتر ہے۔ مگر آج کل لوگوں نے اتفاق کا نام یاد کرلیا ہے اور اس کو مطلقاً محمود سمجھتے ہیں حدود کی رعایت نہیں کرتے یہ بالکل غلط ہے۔ شریعت میں نماز تک کے لئے تو حدود ہیں کہ طلوع وغروب اور دوپہر کے وقت نماز حرام ہے اور بغیر استقبال قبلہ کے نماز حرام ہے۔ اسی طرح ذکر اللہ کے لئے حدود ہیں کہ ذکر میں نیند آجاوے تو سوجانے کا حکم ہے اس وقت ذکر ممنوع ہے شریعت کا مقصود ان حدود سے یہ ہے کہ بندہ کو غلام ہونا چاہیئے جس وقت جو حکم ہو اس کا امتثال (۱) کرے چاہے عبادت کا حکم ہو یا ترکِ عبادت کا بس وہ شان ہو۔

(۱) حکم کو بجالائے۔

من چو کلکم درمیان اصبعین نیستم درصفت طاعت بین بین (۱)

قلم کی خوبی یہ ہے کہ جب چلائیں تو چلے اور جب روکیں رک جائے کیونکہ قلم اگر روکے سے بھی نہ رکے تو حروف بگڑ جاتے ہیں اسی طرح عبادات حدودِ شرعیہ کے خلاف معاصی ہیں اس لئے حکم ہے کہ نیند کے وقت ذکر موقوف کر کے سور ہو۔ تو اتنی بڑی چیز جس کے غیر مستحسن ہونے کا شبہ ہی نہیں ہوسکتا وہ بھی ایک وقت میں ترک حدود کی وجہ سے مذموم ہوجاتی ہے تو اتحاد کے لئے حدود کیوں نہ ہوں گی اور ان حدود کے خلاف جو اتحاد ہو وہ مذموم کیوں نہ ہوگا؟ پس اتحاد کی بھی ہر نوع مستحسن نہیں اس کو علی الاطلاق محمود (۲) کہنا اتحاد کا ہیضہ ہے، افسوس ہے کہ آج کل اتحاد کے فضائل تو بہت بیان کئے جاتے ہیں مگر اس کے اصول وحدود بیان نہیں کئے جاتے ہیں۔

بعض دفعہ نا اتفاقی پسندیدہ ہوتی ہے

پس خوب سمجھ لو کہ خدا سے نا اتفاقی کرنے پر اتفاق کرنا مذموم اور نہایت مذموم ہے پس اس سے اس اتحاد کا حکم سمجھ لیا جاوے جس میں اتحاد کے لئے شریعت کے احکام کو چھوڑا جاتا ہے، صاحبو! جیسے اتفاق مستحسن ہے ایسے ہی کبھی نا اتفاقی بھی مستحسن ہے۔ پس جو لوگ خدا تعالیٰ کے احکام چھوڑنے پر اتفاق کریں ان کے ساتھ نا اتفاقی کرنا اور مقابلہ کرنا محمود ہے، دیکھو جیسے عمارت بنانا محمود ہے ایسے ہی بعض عمارت کا گرانا بھی محمود ہے اگر آپ ہی رعایا سے کوئی مکان خریدیں اور اس میں بجائے کچے کوٹھڑوں کے عمدہ کوٹھی بنانا چاہیں تو پہلی عمارت کو گرائیں گے یا نہیں، یقیناً گرائیں گے اب بتلایئے یہ افساد محمود ہے یا مذموم، اس کے محمود ہونے میں کسی عاقل کو کلام نہیں ہوتا پھر کسی موقع پر نا اتفاقی کے محمود ہونے میں کیوں شبہ ہے؟

(۱) میں دو انگلیوں کے درمیان قلم کی مانند ہوں (یعنی جو کچھ اس سے کام لینا چاہوں لکھنا چاہوں وہ ایسے ہی چلے گا اور لکھے گا) میں اللہ کی فرمانبرداری کے معاملہ میں مذبذب نہیں ہوں (۲) اتحاد کو مطلقاً اچھا کہنا درست نہیں۔

صلح صفائی کے آداب

اسی لئے حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جس طرح بھی ہو صلح کرادو بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ صحیح بنیاد پر صلح کراؤ اور اگر لوگ اس پر راضی نہ ہوں تو سب مل کر غلط بنیاد کو ڈھادو پھر قتال کے بعد اگر طائفہ باغیہ حق کی طرف رجوع ہو جائے تو حکم یہ ہے کہ ﴿فَاِنْ فَاءَتْ فَاَصْلِحُوْ بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا﴾
یعنی ''اب پھر ان کے معاملہ کی انصاف کے ساتھ اصلاح کرو''۔ یہ نہیں کہ بس لڑائی موقوف ہوتے ہی ان کا مصافحہ کرادو اس میں بھی لوگ غلطی کرتے ہیں بعض لوگ صلح کرانا اس کو سمجھتے ہیں کہ جہاں دو آدمیوں میں نزاع ہوا فوراً دونوں کا مصافحہ کرادیا چاہے فریقین کے دل میں کچھ ہی بھرا ہو، میں کبھی ایسا نہیں کرتا بلکہ میں کہتا ہوں کہ پہلے معاملہ کی اصلاح کرو پھر مصافحہ کرو ورنہ بدون اصلاح معاملہ کے نرا مصافحہ محض بیکار ہے اس سے فریقین کے دل کا غبار نہیں نکلتا تو مصافحہ کے بعد پھر مکافحہ (۱) شروع ہو جاتا ہے یعنی مقاتلہ، تو حق تعالیٰ نے ﴿فَاءَتْ﴾ کے بعد یہ نہیں فرمایا ((فَكُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ)) کہ زیادتی کرنے والا حق کی طرف رجوع ہو تو بس تم ہاتھ روک لینے پر اکتفا کرلو بلکہ فرماتے ہیں کہ جب دوسرا فریق زیادتی چھوڑ دے تو اب پھر اصلاح معاملہ کی عدل کے ساتھ (۲) کوشش کرو یہ قید یہاں ایسی بڑھائی گئی ہے جس پر ساری عقول قربان ہیں کیونکہ نزاع بدون اس کے ختم ہو ہی نہیں سکتا مگر اس نکتہ پر کسی کی عقل نہیں پہنچتی۔

بھائی چارہ کی بنیاد

بہرحال اصلاح کے نہ یہ معنی ہیں کہ صاحب حق کو دبایا جائے نہ یہ

(۱) آپس میں لڑائی مقابلہ (۲) انصاف کے ساتھ۔

معنی ہیں کہ محض مصافحہ کرادیا جائے بلکہ اصلاح کے معنی یہ ہیں کہ حق کو غالب اور باطل کو مغلوب کیا جائے (۱) اس پر فریقین اتفاق کرلیں تو خیر ورنہ اس اتفاق کی طرف لانے کے لئے فریق مبطل (۲) سے نااتفاقی اور قتال کا حکم ہے۔ پس حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ اس میں حق تعالیٰ نے حکم اخوت کو صفت مومن پر مرتب (۳) فرمایا ہے اور اصول کا قاعدہ ہے کہ جہاں کسی صفت پر حکم مرتب ہوتا ہے وہاں وہ وصف حکم کی علت ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ ہم میں جو اخوت کا تعلق ہے اس کی علت ایمان ہے اور وہی اخوت مطلوب ہے جس کی بنیاد ایمان پر ہو، صاحبو! آجکل جو اتحاد و اتفاق کو بقا نہیں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ایمان پر نہیں ہوتی بلکہ ہوائے نفس یا معاصی (۴) پر ہوتی ہے اس لئے وہ بہت جلد ہوا ہو جاتا ہے یعنی فنا اس لئے اگر اتفاق کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو اس کی بنیاد ایمان پر قائم کرو۔

(۱) یہاں سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو آج کل علماء دیوبند اور جماعت رضائیہ میں اتفاق کرانا چاہتے ہیں اور دونوں جماعتوں پر باہمی نااتفاقی کا الزام دہرتے ہیں کہ اسلام کو ضرر پہنچ رہا ہے سبحان اللہ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ ایک شخص کے گھر پر چور ڈاکہ ڈالیں اور وہ ان پر دعوی کردے تو دونوں فریق کو نااتفاقی کا مجرم قرار دیکر دونوں کو اتفاق پر مجبور کیا جائے بلکہ اس صورت میں ہر عاقل چوروں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ مالک کا مال واپس کرکے اس سے اتحاد کریں مالک کو اتحاد پر کوئی مجبور نہیں کرتا نہ اس کو دعویٰ دائر کرنے سے مجرم قرار دیتا ہے، اسی طرح اس صورت میں علماء دیوبند کو جس جماعت سے اختلاف ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ لوگ دین پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور احکام میں تحریف کرتے ہیں ان دونوں میں اتفاق کرانے کی صورت یہی ہے کہ اول حق و ناحق کو معلوم کیا جائے پھر جو ناحق پر ہو اس کو دبایا جائے، یہ طریقہ نہایت غلط ہے کہ حق و باطل کے تعین سے پہلے ہی دونوں فریق کو اتفاق پر مجبور کیا جاتا ہے اور ہر ایک کو دبایا جاتا ہے یہ اتفاق ہرگز قائم نہیں رہ سکتا۔ ۱۲ جامع (۲) باطل فرقہ سے نااتفاقی اور جنگ کرنے کا حکم ہے (۳) بھائی چارے کے حکم کو صفت ایمان پر مرتب کیا ہے (۴) نفسانی خواہشات یا گناہوں پر ہوتی ہے۔

ایمان کی ناقدری

مگر آج کل تو ایمان کو ایسی بے قدر چیز سمجھ رکھا ہے کہ اس کی کچھ وقعت ہی نہیں ہے جس کام کی بنیاد ایمان پر رکھی جاتی ہے اس کے متعلق لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو مُلّانوں کا کام ہے چنانچہ آج کل زبانوں پر یہ بات بہت کثرت سے ہے کہ یہ وقت نماز روزہ کا نہیں ہے اتحاد کا وقت ہے۔

اتحاد کی وجہ سے احکامِ شریعت کو چھوڑنا جائز نہیں

اور جب کوئی اللہ کا بندہ اعتراض کرتا ہے کہ اتحاد کی وجہ سے احکامِ شرعیہ کا فوت کرنا (۱) جائز نہیں ہے تو نہایت بے باکی سے جواب دیا جاتا ہے کہ یہ وقت جائز و ناجائز کا نہیں ہے کام کا وقت ہے اور غضب یہ ہے کہ اس متن پر (۲) بعض اہلِ علم نے یہ حاشیہ بھی چڑھا دیا کہ اتفاق و اتحاد وہ چیز ہے کہ اس کے قائم کرنے کے لئے نمازیں قضا کردی گئیں حضور ﷺ نے غزوۂ احزاب میں نمازیں قضا کردی تھیں سبحان اللہ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا (۳) اول تو یہی بتلایا جائے کہ حضور ﷺ وہاں کس سے اتحاد کررہے تھے جو اتحاد کی وجہ سے نمازیں قضا ہوئیں بلکہ وہاں تو عدم اتحاد اس کا (۴) سبب ہوا تھا کفار سے مقابلہ اور لڑائی تھی نہ کہ اتحاد کی گفتگو اور اگر کوئی شخص اپنے اس اتحاد کو بھی مقابلہ میں داخل کرنا چاہے تو پھر وہ یہ ثابت کرے کہ کیا حضور ﷺ نے باوجود فرصت کے نمازیں قضا کردی تھیں یا کفار نے آپ کو نماز پڑھنے کی مہلت ہی نہ دی تھی احادیث و واقعات میں

(۱) شرعی احکام کو ترک کرنا (۲) ''متن'' کتاب میں مذکور اصل مضمون کو کہتے اور اس کی مختصر وضاحت جو فٹ نوٹ کے طور پر کی جائے اس کو حاشیہ کہتے ہیں (۳) ایک محاورہ ہے جس کا مطلب ہے ادھر اُدھر کی بے جوڑ باتیں ملا کر اپنی بات بنانا (۴) اتحاد نہ ہونا نمازوں کی قضا کا سبب ہوا تھا۔

صاف مذکور ہے کہ وہاں قضا نماز کا سبب یہ تھا کہ کفار نے آپ کو نماز کی مہلت نہیں دی تھی کیونکہ مقابلہ کے وقت مہلت اپنے قبضہ میں نہیں رہتی بلکہ دونوں پر موقوف ہوتی ہے اگر ایک فریق مہلت لینا چاہے اور دوسرا مقابلہ سے باز نہ آئے تو اس کا مہلت لینا بیکار ہے پھر ایسی حالت میں نماز کیسے پڑھی جاوے۔

صلوٰۃ الخوف کی مشروعیت

رہا یہ کہ صلوٰۃ الخوف کی صورت ممکن تھی تو خوب سمجھ لیجئے کہ اس میں بعض طلباء واہل علم کو بھی غلطی واقع ہوتی ہے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ صلوٰۃ الخوف وقت قتال کے لئے مشروع (۱) ہے یہ بالکل غلط ہے بلکہ صلوۃ الخوف وقت خوف قتال کے لئے مشروع (۲) ہے اور جب خوف سے بڑھ کر وقوع قتال کی نوبت آجائے اس وقت نماز موخر ہوجاتی ہے قتال کے ساتھ نماز کی اجازت نہیں بلکہ صلوٰۃ الخوف میں بھی اگر قتال شروع ہوجائے تو حکم یہ ہے کہ نماز کو توڑ دیں اور اس میں نماز کی بے وقعتی نہیں بلکہ نماز کی وقعت یہی ہے کہ ایسے وقت میں اس کو توڑ دیا جائے کیونکہ اس سے نماز کی سہولت واضح ہوتی ہے اور سہل کام پر دوام ہوسکتا ہے اگر نماز میں یہ سہولتیں نہ ہوتیں تو لوگ ہمت ہار جاتے، اسی طرح اگر وسط صلوٰۃ میں اسٹیشن پر ریل چھوٹ جائے تو جائز ہے کہ نماز توڑ دی جائے اور بعض بزرگوں سے جو منقول ہے کہ انہوں نے نماز نہیں توڑی یہ ان کا حال ہے ورنہ شرعاً قطع صلوۃ (۳) کی اجازت ہے۔

بہرحال اس وقت حضور ﷺ کو قتال درپیش تھا اور ایسی حالت تھی کہ صلوۃ الخوف بھی نہ پڑھ سکتے تھے اس لئے آپ نے نماز قضا کی مگر آج کل جو اتحادی

(۱) عین لڑائی کے وقت خوف کی نماز کی اجازت ہے یہ غلط ہے (۲) بلکہ جب لڑائی کا خوف ہو لیکن لڑائی شروع نہ ہوئی ہو اس وقت صلوٰۃ الخوف مشروع ہے (۳) نماز توڑنے کی اجازت ہے۔

جلسوں اور ترقی قومی کے مشوروں میں نمازیں قضا کی جاتی ہیں ان پر کونسا حملہ ہوتا ہے جس سے ان کو نماز کی مہلت ہی نہیں ملتی۔ افسوس باتیں بنانے اور دور از کار ریزولوشنوں(۱) کے پاس کرنے میں تو نمازیں قضا ہوتی ہیں اور ان کو حضور ﷺ کے واقعات پر قیاس کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کو کچھ تو شرم کرنی چاہیئے۔

اتحاد کا ہیضہ

پس خوب سمجھ لو کہ یہ مسائل اور یہ دلائل سب غلط تھے۔ اور تماشا یہ کیا گیا کہ ان لوگوں کو اتحاد کا ایسا ہیضہ ہوا کہ کفار کو بھی بھائی بنایا اور ان کی رعایت میں احکامِ شرعیہ کو چھوڑا گیا اور اس کی یہ مصلحت بیان کی جاتی تھی کہ اس سے کفار کو اسلام کی طرف انجذاب (۲) ہوگا اور اگر ان کو بھائی نہ بنایا گیا تو اسلام سے بعید (۳) اور اجنبی رہیں گے۔ صاحبو! یہ خیال محض لغو تھا (۴) اسلام تو ایسی حسین چیز ہے کہ کسی کی آنکھ میں کجی (۵) نہ ہو تو اس کا حسن ضرور اپنی طرف کھینچے گا چاہے تم اس کو بھائی بھی نہ کہو بلکہ دشمن ہی کہو۔ ابوجہل کی آنکھ میں کجی تھی اس لئے اس کو ہدایت نہ ہوئی اور جن کی نگاہ میں کجی نہ تھی (۶) وہ کسی نہ کسی وقت اسلام کی طرف آئے اور پھر آئے حالانکہ عمر بھر اسلام سے عداوت ہی ظاہر کرتے رہے تھے اور مسلمان بھی ہر موقع پر ان سے مقابلہ کرتے رہے تھے۔

اسلام کی خوبی

پس اسلام کو اپنی طرف منجذب (۷) کرنے کے لئے کسی کو بھائی بنانے

(۱) بیکار قرار دادوں کے پاس کرنے میں نمازیں قضاء کی جاتی ہیں (۲) اسلام کی طرف کھینچیں گے (۳) اسلام سے دور (۴) یہ بیکار خیال ہے (۵) آنکھ میں ٹیڑھا پن یعنی خرابی نہ ہو (۶) جن کی آنکھیں خراب نہ تھیں (۷) اسلام کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے کسی کو بھائی بنانے کی ضرورت نہیں۔

کی ضرورت نہیں وہ دشمن کو دشمن کہہ کر بھی اپنی طرف کھینچ سکتا ہے کیونکہ اسلام نے دوسری قوموں کے حقوق کی بھی پوری رعایت کی ہے وہی حقوق اور وہی رعایت سب کے جذب (۱) کے لئے کافی ہے پس یہ بھی نہ کہوں گا کہ ہمارے بھائی ہیں ہاں یہ کہوں گا کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں اور وہ ہمارے پڑوسی ہیں اور اسلام میں ہمسایہ کے بھی حقوق ہیں گو وہ کافر ہی ہو۔ اور اگر ان کو بھائی کہا جاوے تو یہ بات چل نہیں سکتی۔ نہ ان کو بیجا خوشامد کا یقین آسکتا ہے اور یہ قرآن کے بھی بالکل خلاف ہے۔

اسلامی طریقۂ اتحاد

پس کفار سے ایسا اتحاد شرعاً جائز نہیں ہے جس میں احکام الٰہیہ کی کچھ بھی مخالفت کی جاوے بھلا اگر ایسا اتحاد محمود ہوتا تو حضور ﷺ نے کہ آپ کی عقل کامل پر تمام عالم کا اتفاق ہے لا الٰہ الا اللّٰہ کی تعلیم کیوں دی ہوتی جس سے تمام عالم میں تہلکہ مچ گیا اور کفار کہنے لگے: ﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ﴾ (۲) اس تعلیم سے پہلے سب کفار آپ کے ساتھ متحد تھے مگر حضور ﷺ نے اس اتفاق کی بنیاد کو اکھاڑ ڈالا کیونکہ کفار کی اس موافقت کی بنیاد کفر پر تھی وہ سمجھتے تھے کہ ہمارے کفر سے ہم کو نہیں روکا گیا اس لئے خوش تھے اور ظاہر ہے یہ بنیاد نہایت کمزور اور لچر بنیاد تھی (۳) آپ نے اس کی نیویں نکالیں (۴) پھر نئی بنیاد ڈال کر اس پر عالیشان عمارت لے گئے مگر ہماری حالت اس وقت یہ ہو رہی ہے کہ ترقی و اتحاد بھی کرتے ہیں تو اس طریقہ پر جس پر کفار نے

(۱) سب کو کھینچنے کے لئے کافی ہے (۲) ''کیا اُس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود رہنے دیا واقعی یہ بہت ہی عجیب بات ہے اور ان کفار میں کے رئیس (سردار) یہ کہتے ہوئے چلے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر قائم رہو یہ کوئی مطلب کی بات ہے'' سورۂ ص: ۵، ۶ (۳) کمزور اور بیہودہ بنیاد ہے (۴) آپ ﷺ نے اس کی بنیادیں اکھاڑ کر نئی بنیاد ڈالی۔

ترقی کی ہے حضور ﷺ کے طریقہ پر نہ ہماری ترقی ہے نہ اتحاد ہے حالانکہ ہم کو کفار کی چیزوں کی طرف تو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ممانعت ہے حق تعالیٰ حضور ﷺ کو فرماتے ہیں: ﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴾(۱)

''اور اپنی نگاہوں کو اس چیز کی طرف دراز نہ کیجئے جس کے ساتھ ہم نے کفار کی بعض جماعتوں کو تمتع دیا ہے جس میں زندگی دنیا کی رونق ہے تاکہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں اور آپ کے رب کی عطا بہتر ہے اور پائیدار ہے'' اس میں تو کفار کے طریقۂ ترقی کی طرف نگاہ اٹھانے کی ممانعت کی گئی آگے اپنی طرف سے ترقی کا طریقہ بتلاتے ہیں: ﴿ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ﴾(۲)

''اور اپنی اہل کو نماز کا حکم کیجئے اور (خود بھی) اس پر جمے رہیئے ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے رزق تو ہم خود ہی آپ کو دینگے اور (اچھا) انجام تقویٰ ہی کا ہے'' اس میں پابندی نماز اور تقویٰ کا حکم ہے اس کو کفار کی ترقی کے مقابلہ میں بیان کرنا اس کی دلیل ہے کہ اسلامی ترقی کا طریقہ یہ ہے، لیجئے اللہ میاں نے بھی مُلّانوں ہی کے مذاق کی رعایت کی ہے اب بتلاؤ کیا اس قرآن کو مٹادو گے۔

کسبِ دنیا کی اجازت

میرا یہ مطلب نہیں کہ دنیا کے سارے کام چھوڑ دو اور نماز روزہ ہی کے ہو رہو بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا کو اصل مقصود نہ سمجھو باقی بضرورتِ دین (۳) دنیا میں مشغول ہونے کا مضائقہ نہیں، اس کی ایسی مثال ہے جیسے کھانے کی ضرورت سے

(۱) سورۂ طٰہٰ: ۱۳۱ (۲) سورۂ طٰہٰ: ۱۳۲ (۳) دین کی ضرورت سے۔

کنڈے (۱) جمع کئے جاتے ہیں اور جب کوئی پوچھتا ہے کہ یہ کھانا کتنے میں تیار ہوا ہے تو اس کی فہرست میں کنڈے اور لکڑیاں بھی شمار ہوتی ہیں اسی طرح جب دین کے لئے دنیا کماؤ گے تو وہ محض دنیا نہ رہے گی اب اس کا لقب نعم البدل ہوگا جس کا لقب پہلے الدنیا جیفة تھا (۲) کہ دنیا گندی اور حرام ہے پس کسب دنیا بضرورت مذموم نہیں ہاں مقصوداً مذموم ہے (۳) جیسے کوئی شخص کنڈوں ہی کو مقصود سمجھے اور انہیں کھانے لگے تو احمق ہے اور اگر ان کو روٹی کے توے کے نیچے جلائے تو بڑا عاقل ہے۔

دنیا کو دین کے تابع رکھو

یہی وہ بات ہے جس کو خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ نے مُلّا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب میں ظاہر فرمایا تھا، مُلّا جامی خواجہ صاحب سے بیعت ہونے کے لئے گئے تھے جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ یہاں تو بڑا امیرانہ ٹھاٹ ہے ملّا جامی کے دل میں اعتراض پیدا ہوا کہ درویشوں کے یہاں شاہانہ ساز وسامان نہ ہونا چاہئیے۔ اس خطرہ کا ایسا غلبہ ہوا کہ آپ نے خواجہ صاحب کے منہ پر عرض کیا ؎

نہ مرد ست آنکہ دنیا دوست دارد(۴)

یہ کہہ کر چلے آئے اور مسجد میں آکر لیٹ گئے پھر خواب میں ان کو تنبیہ ہوئی جس سے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بزرگ ہونا معلوم ہوا اس کے بعد معذرت کی خواجہ صاحب نے فرمایا کہ وہ مصرع دوبارہ تو سناؤ انہوں نے عذر کیا فرمایا کہ پہلے تم نے خود پڑھا تھا اب ہمارے کہنے سے سنادو۔ مجبور ہوکر بیچاروں نے سنایا کہ ؎

نہ مرد ست آنکہ دنیا دوست دارد

(۱) لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جو آگ چلانے کے لئے جمع کئے جاتے ہیں جنہیں گٹکے بھی کہتے ہیں (۲) جس دنیا کا لقب پہلے مردار تھا اور بُری اور حرام تھی اب اس کو بہترین مال کہیں گے (۳) ضرورتاً دنیا کمانا بُرا نہیں ہاں دنیا کو مقصود سمجھ کر کمانا بُرا ہے (۴) وہ مرد کامل نہیں ہے جو دنیا کو دوست بنائے۔

خواجہ صاحب نے بیساختہ فرمایا ؎

اگر دارد برائے دوست دارد(۱)

خوب جواب دیا جس کا حاصل یہی ہے کہ دنیا کو مقصود بالذات سمجھ کر رکھنا تو بُرا ہے لیکن دین کا تابع بنا کر رکھنا محمود ہے۔ یہی مطلب میرا ہے کہ اصل مقصود تو دین کو سمجھو پھر دنیا تابع ہو کر خود ہی آجائے گی اور اس وقت وہ دنیا نہ ہوگی بلکہ دین کی تبعیت سے وہ بھی دین ہو جائیگی۔

مسلمانوں اور کافروں کے طریقہ ترقی میں فرق

یہ تو علمی مضمون ہے اب تاریخی نسخہ دیکھو تو اس میں غور کرو کہ اس وقت تک مسلمانون کی ترقی کیونکر نہ ہوئی یہ مت دیکھو کہ کفار کی ترقی کیونکر ہوئی کیونکہ ہر قوم کا مزاج باطنی الگ ہے یہ ضروری نہیں کہ جو طریقہ ایک قوم کو مفید ہو وہ سب کو مفید ہو بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ جو صورت ایک قوم کے کسی فرد کو مفید ہو وہ سب افراد کو مفید ہو چنانچہ تجربہ ہے کہ کسی کو تجارت سے ترقی ہوتی ہے کسی کو ملازمت سے کسی کو زراعت یا حرفت سے ہر شخص کو ایک طریقہ سے ترقی نہیں ہوتی پھر یہ کیا ضروری ہے کہ جو طریقہ ایک قوم کو مفید ہو وہ سب کو مفید ہو، صاحبو! لطیف المزاج کو وہ چیزیں نافع نہیں ہوتیں جو ایک گنوار کو نافع ہیں (۲) چنانچہ ایک طبیب کا واقعہ ہے کہ وہ کسی گاؤں سے گذرے تو دیکھا کہ ایک گنوار نے چنے کی موٹی موٹی روٹیاں سات آٹھ کھائیں اور ان پر ایک بنٹا بھرا ہوا چھاچھ (۳) کا پی گیا حکیم صاحب نے کہا کہ اب تیری خیر نہیں چھاچھ کو درمیان میں پینا چاہیئے تھا تو گنوار نے روٹی لانے

(۱) اگر دنیا کو دوست رکھے تو دوست (یعنی اللہ) کی خاطر دوست رکھے (۲) جس کے مزاج میں لطافت ہو اس کو ان چیزوں سے فائدہ نہیں ہوتا جن سے ایک گنوار دیہاتی کو ہوتا ہے (۳) لسی کا بھرا ہوا مٹکا پی گیا۔

والے کو آواز دی کہ ارے چار روٹی اور لے آ حکیم یوں کہتا ہے کہ چھاچھ کو بیچ میں کرلے میں بیچ میں کرلوں (۱) چار پانچ موٹی موٹی روٹیاں اور آ گئیں گنوار نے وہ بھی صاف کر دیں اور حکیم صاحب سے کہا کہ بس اب تو چھاچھ بیچ میں ہوگئی۔ حکیم نے کہا بھائی تو چاہے بیچ میں کر یا اوپر تجھے کچھ نقصان نہ ہوگا جس کا معدہ ایسا قوی ہو اس کے لئے سب جائز ہے بھلا کوئی شہری بھی ایسا کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں، پھر ترقی کے باب میں آپ ایک ہی طریقہ سب کے لئے مفید کیوں کر سمجھتے ہیں۔ صاحبو! اگر سنکھیا (۲) ایک شخص کو ضرر (۳) نہ دے بلکہ نافع (۴) ہوجائے تو اس سے یہ لازم نہ آئیگا کہ سب کے لئے سنکھیا مفید ہو بلکہ کہا جائے گا کہ اس شخص کے مزاج کی خصوصیت ہے ورنہ سنکھیا تو فی نفسہ قاتل ہی ہے (۵) پس اب تم یہ مت دیکھو کہ کفار کو ترقی کیونکر ہوتی ہے۔ یہاں سے یہ شبہ زائل ہوگیا کہ اگر ان اسباب میں ترقی کی خاصیت نہیں تو کفار کو ان سے نفع کیوں ہوتا ہے۔

جواب یہ ہے کہ تم اسلام کے بعد لطیف المزاج ہوگئے ہو تمہارا مزاج شاہانہ ہوگیا ہے تم کو وہ صورت مفید نہ ہوگی جو گنواروں کو مفید ہے نیز تم ایسے ہو جیسے سر کی ٹوپی کہ جہاں اس میں ذرا سی ناپاکی لگی فوراً اتار کر پھینک دی جاتی ہے اور جوتے میں اگر ناپاکی لگ جائے تو اس کو نہیں پھینکتے اسی طرح حق تعالیٰ تم کو ناپاکی اور گندگی میں ملوث نہیں دیکھنا چاہتے اگر تم ملوث ہوگے تو فوراً کوٹے پیٹے جاؤ گے اور کفار چاہے جتنا بھی ملوث ہوجائیں گوارا کیا جاویگا، میانجی ایک لڑکے سے محبت کرتا ہے تو اس کو ہر روز سبق یاد نہ کرنے پر سزا دیتا ہے اور ایک سے محبت نہیں اس کو روز نہیں مارتا اس کو امتحان کے دن اکٹھا ہی ماریگا۔

(۱) چار موٹی موٹی روٹیاں اور لے آؤ حکیم کہتا ہے لسی درمیان میں پینی چاہیئے۔ میں مزید روٹیاں کھا کر لسی کو درمیان میں کرلوں (۲) زہر (۳) نقصان (۴) مفید (۵) سنکھیا تو اپنی ذات کے اعتبار سے باعث ہلاکت ہے۔

مسلمانوں کی ترقی کا طریقہ

پس اگر تم ترقی کرنا چاہو تو یہ دیکھو کہ پہلے مسلمانوں کو ترقی کیونکر ہوئی تھی۔ جن لوگوں نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی ترقی کا حال تاریخ میں دیکھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ ان حضرات کو محض اتباعِ دین (۱) کی وجہ سے ترقی ہوئی وہ دین میں پختہ تھے ان کے معاملات و معاشرات و اخلاق بالکل اسلامی تعلیم کے مطابق تھے اس لئے دوسری قوموں کو خود بخود اسلام کی طرف کشش ہوتی تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی حالت دیکھ کر لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے تھے اور اگر کسی نے مقابلہ کیا تو چونکہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو راضی کر رکھا تھا اس لئے خدا ان کی مدد کرتا تھا یہی تو وجہ ہے کہ باوجود بے سرو سامانی اور قلت عدد (۲) کے بڑی بڑی سلطنتوں کو ان سے آنکھ ملانے کی ہمت نہ ہوئی۔ اسلام میں ترقی کی تعلیم ایسی معتدل ہے کہ دوسری قومیں بھی اس سے نہیں بھڑکتیں کیونکہ اسلام میں وفاء عہد کی (۳) سخت تاکید ہے کہ جن قوموں سے تمہارا باہمی معاہدہ ہوجائے پھر ان کی حفاظت اپنے بال بچوں کی طرح واجب ہے ((لَهُمْ مَالَكُمْ وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَيْكُمْ)) (۴)

اسلام میں پڑوسی کے حقوق

مگر میں پھر وہی بات کہوں گا جو پہلے کہی تھی کہ آپس میں بھائی بھائی تو مسلمان ہی ہیں باقی دوسری قومیں پڑوسی ہیں لیکن اسلام میں حقوق پڑوسی کے بھی کافی ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا پڑوسی ایک یہودی تھا آپ اس کے حقوق کی پوری رعایت کرتے تھے کوئی نئی چیز کھانے کی پکتی یا میوے اور پھل آتے تو بدون

---

(۱) ضرورتِ دین کی پیروری سے ترقی ہوئی (۲) تعداد میں کم ہونے کے باوجود (۳) معاہدے کی پاسداری (۴) ان کے لئے وہی کچھ ہے جو تمہارے لئے ہے اور ان کے ذمہ وہی لازم ہے جو تمہارے ذمہ لازم ہے۔

اس یہودی کے گھر بھیجے خود نہ کھاتے (۱) اور وہ بیمار ہوتا تو اس کی عیادت کرتے۔ ہم کو ہمسایہ کی ایذاء رسانی سے سخت ممانعت ہے (۲)۔ اور حکم ہے کہ اگر کسی وقت اپنے ہمسایہ کفار کو ہم سے امداد کی ضرورت ہو تو ان کی امداد کریں (یعنی شرعی حدود کے اندر) اور ان سے ہمدردی کریں۔ صاحبو! اسلام کے قوانین خود ایسے ہیں جن میں سب قوموں کی رعایت ہے پھر ہمیں اپنی طرف سے کوئی صورت اتحاد واخوت کی نکالنا کیا ضروری ہے، کیا اسلام نے کچھ کم رعایت کی ہے جو تم اس میں اضافہ کرنا چاہتے ہو، ہاں یہ ضرور ہے کہ اسلام نے ان کو مسلمانوں کے برابر بھائی نہیں بنایا جیسا کہ آج کل لوگ بنا رہے ہیں پس ہمیں کسی سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم آپ سے اتحاد کرنا چاہتے ہیں یا ہم کو آپ سے ہمدردی ہے بلکہ ہمسایہ کفار کے ساتھ تم اسلامی تعلیم کے موافق عمل شروع کردو وہ خود آپ سے متحد ہو جائیں گے اور آپ کی محبت وعظمت ان کے قلوب میں پیدا ہو جائے گی نہ اس کی ضرورت ہے کہ تم احکام شرعیہ میں ترمیم کرو نہ اس کی ضرورت ہے کہ جلسوں میں ان کو مدعو کر کے خوشامد کے الفاظ کہو بلکہ عمل کی ضرورت ہے اور معاملہ درست کرنے کی۔

اسلامی تعلیمات پر عمل کی ضرورت

مگر عمل میں ہماری یہ حالت ہے کہ مسلمانوں سے بھی ہمارا برتاؤ اچھا نہیں کفار سے تو کیا ہی ہوگا پھر یہ زبانی باتیں کب تک چلیں گی۔ مسجد کانپور کے واقعہ میں بعض احباب نے مجھ سے مشورہ لیا تھا کہ ہم کو کیا کرنا چاہئے، میں نے سب کو یہی رائے دی کہ صبر وسکون سے کام لو ہلڑ نہ کرو اور اطمینان کے ساتھ گورنمنٹ تک اپنی آواز پہنچاؤ ان شاء اللہ اس کا اثر ہوگا، باقی حکام سے مقابلہ نہ کرو کیونکہ

(۱) اس یہودی کے گھر بھیجے بغیر خود نہ کھاتے (۲) پڑوسی کو تکلیف دینے کی ممانعت ہے۔

سلطنت سے مقابلہ کرنا رعایا کا کام نہیں یہ کام سلطنتوں کا ہے تو میرے بعضے خطوط اس قسم کے حکام کی نظر سے بھی گذرے یا کسی نے ان کو خبر دی کہ فلاں شخص نے اپنی جماعت کو صبر وسکون کے ساتھ درخواست کرنے کا امر کیا تھا اس کا حکام پر خاص اثر ہوا اور یہ تجویز کی گئی کہ اس کے لئے کوئی صورت اعزاز و امتیاز کی ہونی چاہئیے، مجھ کو بعض افسروں کے ذریعہ سے معلوم ہوا میں نے صاف کہہ دیا کہ میں نے اس واقعہ میں جو کچھ تعلیم مسلمانوں کو دی ہے وہ محض قوانین شرع کی اتباع کی تعلیم تھی ایسے موقع میں ہماری شریعت کا یہی حکم ہے کہ سکون سے کام لیا جائے۔ حکومت کو نفع پہنچانا میرا بالذات مقصود نہ تھا یہ اتفاقی بات ہے کہ حکومت کو بھی نفع ہوگیا کیونکہ یہ شریعت ہی ایسی ہے جس کے اندر سب کے حقوق کی رعایت ہے اس لئے میں اپنی رائے کا صلہ صرف حق تعالیٰ سے چاہتا ہوں اور کسی سے نہیں چاہتا۔

صاحبو! میں سچ کہتا ہوں کہ تم شریعت پر چل کر دیکھو ان شاء اللہ سب تمہاری عزت کریں گے جس کی بیّن دلیل یہ ہے کہ جو پکے مسلمان ہیں انگریز، ہندو، پارسی وغیرہ سب ان کی عزت کرتے ہیں، چنانچہ میری نسبت قصبہ کے بعض ہندوؤں نے کہا تھا کہ وہ ہندو مسلمان سب کو ایک آنکھ سے دیکھتا ہے حالانکہ میں نہ کسی ہندو کو کبھی بلاتا ہوں نہ ان کی خوشامد کرتا ہوں بلکہ وہ خود ہی میرے پاس آتے ہیں اس وقت میں اسلامی تعلیم کے موافق ان کی تالیف قلب کرتا ہوں کیونکہ اسلام میں سب کے حقوق کی رعایت ہے۔

معاہدے کی پاسداری میں صحابی رضی اللہ عنہ کا عمل

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ کسی عیسائی قوم سے آپ نے عارضی مصالحت کی۔ صلح میں میدان تقسیم ہوگئے اُن لوگوں نے سرحد پر ہرقل کا مجسمہ بنا کر بطورِ نشان کے قائم کردیا اتفاق سے کچھ مسلمان اس مجسمہ کے آس پاس

گھوڑ دوڑ کر رہے تھے ایک سپاہی نے مجسمہ کی آنکھ پر برچھا مار دیا(۱) وہ آنکھ ٹوٹ گئی، عیسائیوں کو اس کی اطلاع ہوئی انہوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے احتجاج کیا کہ ہمارے بادشاہ کے مجسمہ کی توہین کی گئی ہے ہم اس کا انتقام لینا چاہتے ہیں حالانکہ بات کچھ نہ تھی مگر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واقعی ہمارے سپاہی نے بہت بڑی غلطی کی اور میں اس کے معاوضہ میں اپنی آنکھ پیش کرتا ہوں تم میری آنکھ پھوڑ دو اس جواب کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کے وفاء عہد کا عیسائیوں میں چرچا ہوگیا کہ یہ لوگ عہد کے کیسے پکے ہیں بالآخر وہ لوگ خود ہی ڈھیلے ہوگئے اور کہا ہم تصویر کی آنکھ کے معاوضہ میں آپ کی آنکھ لینا نہیں چاہتے۔ یہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کو ترقی ہوئی تھی۔

اسلام کی خوبی اور کشش

اے صاحبو! آپ غور تو کریں کہ اس وقت حالانکہ ہندوستان میں مسلمانوں کو کچھ ظاہری ترقی نہیں ہے مگر پھر بھی آئے دن لوگ اسلام میں داخل ہورہے ہیں اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہے کہ اسلام میں خوبی اور کمال ہی ایسا ہے جو خود بخود لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اگر کبھی کوئی مسلمان اسلام پر پوری طرح چلنے لگیں تو پھر تو کیا ہی حال ہو۔

حصولِ ترقی کا صحیح طریقہ

پس تو تم دوسری قوموں کے طرز ترقی کا اتباع نہ کرو بلکہ اس طریقہ کا اتباع کرو جس سے تم کو ترقی ہوچکی ہے کیونکہ یہ آزمودہ نسخہ ہے جو کامیاب ہوچکا ہے ترقی کے اسباب تمہارے یہاں اپنے گھر میں موجود ہیں مگر پھر بھی تمہاری وہ

(۱) نیزہ مار دیا۔

حالت ہے کہ دوسروں کی طرف ہاتھ پھیلاتے ہو ۔

یک سبد پر نان ترا بر فرق سر تو ہمی جوئی لب نان دربدر
تابہ زانوئی میاں در قعر آب درخطش وز جوع گشتستی خراب (۱)

صاحبو! تم دین پر چلو دنیا خود ساتھ ساتھ آجائے گی ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ دنیا اور دین کی ایسی مثال ہے جیسے پرندہ اور سایہ تم پرندہ کو پکڑلو سایہ ساتھ ساتھ آجائیگا اور اگر سایہ کو پکڑو گے تو نہ وہ ہاتھ آئیگا نہ یہ ہاتھ آئے گا۔ تم دین پر قائم رہو ساری قومیں تمہاری مسخر ہوجائیں گی لہذا اتفاق واتحاد کی بنیاد ہمیشہ دین کی حدود پر قائم کرو اور کسی عالم سے مشورہ کرکے کام کیا کرو یہ اتحاد ان شاء اللہ مضبوط ہوگا۔

ادائیگی حقوق کا اہتمام

یہ تو حدوثِ اتحاد کی شرط تھی آگے بقائے اتحاد کی تدبیر بتلاتے ہیں ﴿وَاتَّقُوا اللّٰہَ﴾ (۱) یعنی اتحاد جب باقی رہے گا جب تقوی کی رعایت ہوگی کیونکہ جب تقوی کی رعایت ہوگی تو خدا کا خوف ہوگا اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے کا خیال ہوگا اور جب دوسروں کے حقوق ادا ہوتے رہیں گے تو پھر نااتفاقی پیدا ہوہی نہیں سکتی، نااتفاقی جب ہی پیدا ہوتی ہے جب کسی کو ضرر (۳) پہنچایا جائے یا اس کے حقوق تلف (۴) کئے جائیں۔ پھر شریعت میں حقوق کی رعایت ایسی ہے کہ صرف جان و مال ہی کے حقوق نہیں ہیں بلکہ معاشرت کے بھی حقوق ہیں جن کی اس قدر رعایت ہے کہ اگر تین آدمی بیٹھے ہوں تو ایک کو چھوڑ کر دو آدمیوں کو خفیہ باتیں کرنا ممنوع ہے بھلا ایسی رعایت کسی دنیوی دستور العمل میں بھی ہے۔

(۱) روٹیوں سے بھرا ہوا ٹوکرا سر پر اٹھائے ہوئے ہے، اس کے باوجود روٹی کے ایک ٹکڑے کے لئے در بدر بھیک مانگتا پھرتا ہے، کمر کے وسط تک پانی میں ڈوبا ہوا ہے، اور پھر پیاس کی بنا پر ہلاک ہورہا ہے (۲) خوف خدا ہے (۳) نقصان پہنچایا جائے (۴) اس کے حقوق مارے جائیں۔

کسی کے گھر میں داخل ہونے کے آداب

پھر یہ حکم ہے کہ بدون استیذان (۱) کے کسی کے گھر میں بلکہ اپنے گھر میں بھی نہ جاؤ' اور یہ حکم زنانہ گھر ہی کے سات مخصوص نہیں کیونکہ وہاں تو حجاب ہی ضرورت استیذان کی کافی دلیل ہے۔ بلکہ مردانے میں بھی استیذان کی ضرورت ہے مگر مردانہ مکان میں تفصیل ہے ایک صورت یہ ہے کہ کسی مجلس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں اور کوئی پردہ وغیرہ پڑا ہوا نہ ہو اور لوگوں کی آمدورفت جاری ہو اس صورت میں استیذان کی ضرورت نہیں وہ مجلس عام ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ مردانہ مکان میں کوئی شخص پردہ چھوڑے ہوئے یا کواڑ بند کئے ہوئے بیٹھا ہو یہاں استیذان کی ضرورت ہے بدون اجازت کے پردہ اٹھانا یا کواڑ کھولنا ممنوع ہے اور استیذان کا طریقہ یہ ہے کہ دروازہ پر کھڑے ہوکر اول سلام کرو پھر کہو کہ میں اندر آجاؤں تین دفعہ ایسا ہی کرو اگر اجازت ملے تو اندر آجاؤ ورنہ لوٹ جاؤ، حضور ﷺ نے اس کو خود کرکے دکھلا دیا ہے ایک مرتبہ آپ ﷺ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر قباء تشریف لے گئے جو مدینہ سے تین کوس (۲) پر ہے آپ نے تین بار سلام کرکے اجازت چاہی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے جواب نہ دیا کہ اچھا ہے کہ حضور ﷺ اور سلام کریں کیونکہ سلام دعا ہے۔ یہ بھی ایک حال ہے بعض لوگ اس کو بے ادبی کہیں گے مگر عشاق کا ادب دوسروں سے الگ ہے جب تیسری بار کے بعد حضور ﷺ نے سلام نہ فرمایا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے دیکھا تو حضور ﷺ مدینہ کی طرف واپس جارہے ہیں دوڑ کر حضور ﷺ کو روک لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ واپس کیوں چلے فرمایا میں نے تین بار سلام کیا تم نے جواب نہ

(۱) بغیر اجازت کسی کے گھر میں کیا بلکہ اپنے گھر میں بھی نہ جاؤ (۲) تقریباً تین میل۔

دیا اس لئے واپس جارہا ہوں کیونکہ تین بار سے زیادہ استیذان کا حکم نہیں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے تو آپ کی دعا لینا چاہی تھی اس لئے خاموش رہا تاکہ اور برکت ہو۔ بھلا آج تو کوئی ایسا کرکے دکھائے ایک دفعہ ہی کے بعد جواب نہ ملنے پر غصہ آجائے گا مگر حضور ﷺ کو ذرا ناگواری نہیں ہوئی خوش خوش مدینہ کو واپس ہوگئے پھر جب وہ دوڑے آئے دوبارہ پھر تشریف لے گئے حضور ﷺ نے اپنے واسطے کچھ خصوصیت نہیں رکھی بلکہ خود بھی قانون کے ویسے ہی تابع رہے جیسے دوسروں کو تابع بنایا تھا۔

آداب ملاقات

اسلام میں ملاقات کا بھی کتنا اچھا طریقہ ہے کہ اول السلام علیکم کرتے ہیں اس میں مخاطب کو سلامتی کی دعا ہے اور سلامتی ایسا جامع مضمون ہے جس میں ہر طرح کی خیر وخوبی داخل ہے۔ نیز اس میں سلامتی کا اظہار کرکے مخاطب کو مطمئن کردیا جاتا ہے کہ تم مجھ سے مامون و بے فکر رہو میں تمہارا خیر خواہ اور طالب سلامت ہوں دوسری قومیں تو ایسا طریقہ اپنے یہاں بتلائیں۔ پھر حضور ﷺ نے اس میں بھی اپنی کوئی خصوصیت نہیں رکھی جس طرح دوسروں کو سلام کیا جاتا تھا ویسے ہی حضور ﷺ کو سلام کیا جاتا تھا ورنہ سلاطین کا سلام تو سب سے الگ ہوتا ہے مگر حضور ﷺ نے اپنے لئے کچھ امتیاز نہ رکھا تھا۔

حضور ﷺ کی معجزانہ قوت وطاقت

رہا نکاح میں آپ کا نو بیبیاں کرنا اور امت کے لئے چار سے زیادہ کو حرام کرنا اس کی وجہ علاوہ خاص حکمتوں کے ایک یہ بھی تھی کہ آپ میں قوت اتنی تھی

کہ یہ عدد بھی اس قوت کے اعتبار سے کم ہی تھا۔ تو جو لوگ حضور ﷺ کے نو نکاحوں پر اعتراض کرتے ہیں پہلے وہ یہ تو معلوم کریں کہ حضور ﷺ میں قوت کتنی تھی صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ حضور ﷺ میں تیس مردوں کی قوت ہے اور یہ محض خوش اعتقادی نہیں بلکہ اس کے دلائل موجود ہیں ایک دلیل حضرت رکانہ کا واقعہ ہے کہ عرب میں یہ بڑے زبردست پہلوان تھے انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ آپ کشتی میں مجھ کو پچھاڑ دیں تب میں آپ کی نبوت تسلیم کرسکتا ہوں کیونکہ ان کو اپنی قوت پر ناز تھا کہ مجھے کوئی نہیں پچھاڑ سکتا عرب میں قوت کا بھی وزن کیا جاتا تھا۔

تو اہل عرب حضرت رکانہ کو ہزار مردوں کے برابر سمجھتے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے کشتی میں رکانہ کو پچھاڑ دیا ایک دفعہ کو انہوں نے اتفاق پر محمول کیا اور کہا ایک دفعہ اور کشتی ہو آپ ﷺ نے پھر بھی پچھاڑ دیا تب وہ اسلام لے آئے تو جب ایسے شخص سے بھی آپ کی قوت زیادہ تھی جو ہزار مردوں کے برابر شمار ہوتا تھا تو اس میں کیا شک ہے کہ آپ میں تیس مردوں کی قوت ہو بلکہ اس کو تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی احتیاط کہنا چاہیئے ورنہ رکانہ کے واقعہ سے تو آپ میں اس سے زیادہ قوت معلوم ہوتی ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ بعض دفعہ آپ ﷺ سب بیبیوں سے یکے بعد دیگرے ایک ہی دن میں فارغ ہولیا کرتے تھے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں قوت بہت تھی پھر نو نکاح آپ کے لئے کیا زیادہ تھے کچھ بھی نہیں ہیں۔

اسلام میں لوگوں کے حقوق کی رعایت

میں اسلام کے احکام جو قلب کو مسخر کرتے ہیں بیان کررہا تھا ان میں سے ایک حکم یہ ہے کہ بازار کا نرخ مقرر نہ کرو ہر شخص جتنے میں چاہے اپنا مال فروخت

کرے سب کو آزاد رکھو آج کل جو لوگ آزادی کے مدعی ہیں وہ بھی دکانداروں کو آزادی نہیں دیتے بلکہ بازار کا نرخ مقرر کردیتے ہیں یا قلیوں اور ٹم ٹم والوں کا کرایہ معین کردیتے ہیں اسلام میں اس کی ممانعت ہے کیونکہ اپنی چیز میں ہر شخص خود مختار ہے۔ ایک حکم یہ ہے کہ "مطل الغنی ظلم" مالدار آدمی کا قرض خواہوں کا ٹالنا ظلم میں داخل ہے اس کی سخت ممانعت ہے کہ رقم پاس ہوتے ہوئے قرض خواہ کو ٹالا جائے۔ سبحان اللہ کتنی رعایت ہے حقوق کی میں کہاں تک اسلام کی برکات کو بیان کروں یہاں تو یہ حال ہے ؎

اگر ہفت دریا شود روشنائی کند کلکِ اشجار مدحت سرائی
محال ازثنائے تو عہدہ برآئی (۱)

بھائی چارے سے مقصود

پس بڑا بیان یہ ہے کہ تم عمل کر کے دیکھو اسلام کی برکتیں تم کو خود نظر آجائیں گی آگے ارشاد ہے: ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ (۲) اس میں بتلادیا کہ اخوت سے صرف اخوت ہی مطلوب نہیں اصل مقصود رضائے الٰہی وقرب ہے مگر وہ ایسا مقصود ہے کہ جب وہ حاصل ہوجاتا ہے تو دنیوی مقاصد بھی ساتھ ساتھ چلے آتے ہیں یہ نہیں کہ صرف رضا ہی حاصل ہوجائے اور دنیا کے مقاصد فوت ہوجائیں میں سچ کہتا ہوں کہ جب بندہ کا خدا تعالیٰ سے تعلق مستحکم ہوجاتا ہے تو دنیا کے تعلقات کے حقوق پہلے سے زیادہ مستحکم ہوجاتے ہیں کیونکہ پہلے تو ان حقوق کو حظِّ نفس (۳) کے لئے ادا کیا جاتا تھا اور حظِّ نفس اپنی اختیاری شئے ہے (۴) جب چاہو اس سے قطع نظر کرلو تو وہ

(۱) اگر سات سمندر روشنائی بن جائیں اور سارے درختوں کے قلم بنا کر آپ کی تعریف لکھنی شروع کی جائے تب بھی آدمی کا آپ کی تعریف سے عہدہ برآ ہونا ناممکن ہے (۲) تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۳) نفس کی لذت کے لئے (۴) اختیاری چیز ہے۔

حقوق بھی ضائع ہوجاتے ہیں اور اب رضائے الٰہی کے لئے ان حقوق کو ادا کیا جاتا ہے اور رضائے حق سے قطع (۱) نظر نہیں ہوسکتی اس لئے دیندار سے زیادہ تعلقات کے حقوق کو کوئی بھی ادا نہیں کرسکتا پس یہ شبہ رفع (۲) ہوگیا کہ جب اخوت سے مقصود رضائے حق ہوگی اور اخوت خود مقصود نہ ہوگی تو اخوت (۳) کے حقوق کیونکر ادا ہونگے سو میں نے بتلادیا کہ اس صورت میں پہلے سے زیادہ حقوق ادا ہونگے اور جو لوگ دیندار بن کر حقوق متعلقین میں کمی کرتے ہیں وہ دین سے ناواقف ہیں حقیقت میں وہ دیندار نہیں گو دنیا ان کو دیندار سمجھتی ہے بس۔

بقائے اتحاد کی صورت

اب تفصیل کہاں تک بیان کروں سنار کی کھٹ کھٹ لوہار کی ایک بس، خلاصہ یہ ہے کہ تم دین کی پابندی کرو ان شاء اللہ دوسری قومیں بھی تم سے خوش رہیں گی اور کامیابی تمہاری غلام ہوگی، یہ طریقہ ہے اتحاد کے قائم رکھنے اور اس کے باقی رکھنے کا اور اس کی رعایت کروگے تو یہ اتحاد باقی رہے گا ورنہ زبانی جمع خرچ سے کچھ نہیں ہوتا یہ تو چار دن میں ختم ہوجاتا ہے۔

اب دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ شانہ ہمیں علم وعمل کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین (۴)

وصلی اللّٰہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین واخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العٰلمین

(۱) اللہ کی خوشنودی سے نظر نہیں ہٹائی جاسکتی (۲) یہ شبہ دور ہوگیا (۳) بھائی چارہ (۴) اللہ تعالیٰ تمام مستفیدین کو عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۱۲/ ربیع الاول ۱۴۳۱ھ